دار العلوم دیوبند کے تیس سالہ پرچۂ سوالات کا بہترین حل

الکلام المحمود

لحل أسئلة

سنن أبي داود

پسند فرمودہ

حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب اعظمی
سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا جمیل الدین صاحب قاسمی
مہتمم جامعہ انوار الصفہ شہر بجنور یوپی

مرتب

(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)
خادم الحدیث والفقہ مدرسہ عائشہ الصدیقہ قاسم العلوم دیوبند



دار الکتاب دیوبند

مُقَدِّمَۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی محمد المصطفیٰ: أما بعد۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائماً أبداً ★ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

اکثر اہل علم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی علم میں بحث کرتے ہیں یا کتاب تحریر کرتے ہیں تو ابتداء میں ایک مقدمہ تحریر کرتے ہیں اور اس میں اس علم کے متعلق کچھ اہم باتیں بیان کرتے ہیں، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس علم کے حاصل کرنے والے اور کتاب پڑھنے والے کو علم سے مناسبت ہو جائے، اور ان باتوں کی تعداد جنہیں اس مقصد کے پیش نظر مقدمہ میں ذکر کیا جاتا ہے عموماً آٹھ ہوتی ہے، جن کو اہل علم کی اصطلاح میں رؤس ثمانیہ کہا جاتا ہے، وہ آٹھ باتیں یہ ہیں (۱) علم کی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) وجہ تسمیہ (۵) علم کی فضلیت (۶) اس علم میں لکھی ہوئی کتابوں کی اقسام (۷) اس علم کی تاریخ تدوین (۸) اجناس العلوم میں اس علم کا مقام۔

راقم الحروف بھی علما کے اسی طریق کی اتباع کرتے ہوئے مذکورہ آٹھوں باتوں کو نہایت اختصار سے تحریر کرتا ہے۔۔۔۔۔۔

حدیث کی لغوی تعریف:

لفظ حدیث لغت میں دو معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱) حدیث: بمعنی جدید، اس اعتبار سے یہ قدیم کا مقابل ہے (۲) حدیث: بمعنی کلام، اس اعتبار سے اس کا اطلاق ہر قسم کے کلام پر ہوتا ہے، یعنی ہر طرح کے کلام کو اس معنی کے اعتبار سے حدیث کہنا درست ہے۔

لغت عرب کے مشہور امام علامہ جوہریؒ نے اپنی کتاب ''صحاح'' میں حدیث کے یہی معنی بیان کئے ہیں، چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں کہ ''الحدیث الکلام قلیلہ و کثیرہ، وجمعہ احادیث''۔ (حدیث لغت میں مطلق کلام کو کہتے ہیں خواہ قلیل ہو یا کثیر اور اسکی

جمع احادیث آتی ہے)۔

نیز اللہ رب العزت نے بھی قرآن کریم میں لفظ حدیث کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، ارشاد ہے "فلیأتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین"(۱)(اے مشرکین کی جماعت اگر تم سچے ہو تو قرآن کریم کے مثل کلام لے آؤ)۔

دار العلوم دیوبند کے مشہور استاذ حضرت مولانا عبد اللہ معروفی دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ پہلے معنی کے مقابلہ میں حدیث کے دوسرے معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے(۲) اس لئے کہ اس معنی کے اعتبار سے حدیث کا اطلاق کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کرنا بالکل واضح ہے۔

حدیث کی اصطلاحی تعریف:

حدیث کی اصطلاحی تعریف کیا ہے اس میں محدثین اور اہل اصول کے مابین بہت سخت اختلاف ہے، تفصیل سے قطع نظر حدیث کی سب سے آسان اور جامع تعریف یہ ہے "الحدیث: ھو اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأفعالہ وأحوالہ" حدیث وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی تفصیل کو کہتے ہیں۔(۲)

علم حدیث کی تعریف:

واضح رہے کہ ابھی تک آپ کے سامنے جو تفصیل ذکر کی گئی ہے یہ حدیث کی تعریفات کی تھی، رہی علم حدیث کی تعریف تو اس کے متعلق عرض ہے کہ علما نے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں لیکن ان میں سے اکثر تعریفات پر کچھ نہ کچھ نقض وارد ہوتا ہے، اس لئے محقق علماء نے علم حدیث کی سب سے جامع تعریف اس تعریف کو قرار دیا ہے جسے حضرت علامہ عینیؒ اور شیخ کرمانیؒ نے اپنی اپنی شروح بخاری میں ذکر کیا ہے، چنانچہ یہ حضرات علم حدیث کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں "ھو علم یعرف بہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ" علم حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

علم حدیث کی اقسام اور ان کی تعریفات:

(۱) القرآن الکریم۔(۲) حدیث اور فہم حدیث ص:۳۳۔(۲) الکلام المجود شرح موطاء امام محمدؒ: ص ۵۰، ۴۹۔

علم حدیث مذہب اسلام کے ان علوم میں سے ایک ہے جو اپنی وسعت کے اعتبار سے مختلف اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں، علم حدیث کتنا وسیع ہے اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علماء سے اس علم کی ساٹھ سے زائد اقسام بیان کی ہیں، جن میں سے دو قسمیں نہایت اہمیت کی حامل ہیں، علمائے اسلام نے بھی ان دو اقسام کے اعتبار سے اس علم کی خوب خدمت کی ہے، ان دو اقسام میں سے ایک علم روایۃ الحدیث ہے اور دوسری علم درایۃ الحدیث ہے۔

واضح رہے کہ علم روایۃ الحدیث اس علم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو سند متصل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، اور علم درایۃ الحدیث اس علم کو کہتے ہیں جس میں روایت کی انواع و احکام، رواۃ کی شرائط، مرویات کی اقسام اور ان سے مسائل کے استخراج کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنا کہ وہ کس کتاب میں ہے اور کن الفاظ اور کس سند کے ساتھ مروی ہے علم روایۃ الحدیث کہلاتا ہے، اور یہ تحقیق کرنا کہ وہ خبر واحد ہے یا مشہور، صحیح ہے یا ضعیف متصل ہے یا منقطع نیز اس کے رواۃ کس درجہ کے ہیں، اور اس حدیث سے کیا کیا احکام مستنبط ہوتے ہیں علم درایۃ الحدیث کہلاتا ہے۔(۱)

علم حدیث کا موضوع:

علم حدیث کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی مقام ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں "فموضوع علم الحديث هو ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث أنه رسول الله صلى الله عليه وسلم" علم حدیث کا موضوع حضور علیہ السلام کی ذات بابرکت ہے اس اعتبار سے کہ آپ اللہ رب العزت کے پاک پیغمبر ہیں۔

علم حدیث کی غرض وغایت:

ہر علم کی کوئی نہ کوئی غرض وغایت ہوتی ہے، حضرت علامہ کرمانیؒ کے بقول علم حدیث کی غرض وغایت "الفوز بسعادة الدارين" دونوں جہانوں میں کامیاب ہونا اور "الاهتداء

(۱) مقدمۃ درس ترمذی ۱/۲۳، مقدمۃ کشف الباری ۱/۴۳ قرۃ العیون نسخہ قدیم ص:۵۸، الکلام المجرود ص:۵۴۔

بهدی النبی صلی الله علیه وسلم " ہے یعنی آپ علیہ السلام کی تعلیمات اور ہدایات سے ہدایت پانا ہے۔

علم حدیث کی وجہ تسمیہ:

علم حدیث کو علم حدیث کیوں کہا جاتا ہے، اس کو جاننے کے لئے حدیث کی وجہ تسمیہ کا جاننا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کو حدیث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قدیم کی ضد ہے یعنی کلام اللہ قدیم ہے، اور کلام الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حدیث (یعنی جدید) ہے، چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ اور صاحب فتح المغیث حافظ سخاویؒ نے حدیث کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ (۱)

علم حدیث کی فضیلت:

علم حدیث جس طرح خود ایک بحر بے کنار ہے اسی طرح اس کی فضیلتیں بھی بہت زیادہ اور بڑی بڑی ہے چنانچہ اس کی فضیلتوں میں سے ایک فضیلت یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے کو اپنی دعاء سے نوازا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دعاء فرمائی ہے "نضر الله امرئً سمع منا حدیثاً فحفظه حتی یبلغه" اللہ رب العزت اس شخص کو تر تازہ رکھے جس نے میری احادیث کو سنا اور ان کو یاد کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔ (۲)

علم حدیث میں لکھی ہوئی کتابوں کی اقسام:

علماء نے علم حدیث کی کس کس نوع سے خدمت کی ہے اور کتنی اقسام پر مشتمل اس علم کی کتابوں کو تصنیف کیا ہے اس کا احاطہ کرنا نہایت دشوار ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے پہلی صدی ہجری سے لیکر آج ہزاروں اور لاکھوں کتابیں وہ ہیں جو منظر عام پر نہیں آئی ہیں، لیکن پھر بھی محققین نے حتی الامکان علم حدیث میں لکھی وہی کتابوں کی اقسام کو بیان کیا ہے، چنانچہ اب تک علم حدیث کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کی اقسام ۳۲ سے زائد بیان کی جاتی ہے، جن میں سے سب

---

(۱) مقدمۃ درس ترمذی ۱/۱۹، الکلام المجود ص: ۵۱۔ (۲) سنن ابی داؤد ﷺ ۱/۵۱۵، الکلام المجود ص: ۵۵۔

سے زیادہ مشہور جوامع اور سنن ہے۔ تفصیل کے لئے الکلام المجود شرح الموطاء للامام محمدؒ دیکھیں۔

علم حدیث کی تاریخ تدوین:

علم حدیث کب مدون ہوا اور کن نفوس قدسیہ نے اس علم کے مدون کرنے کی جانب توجہ دی اس کی ایک لمبی تفصیل ہے، جس کو مکمل طریقہ سے الکلام المجود شرح الموطاء للامام محمدؒ (اردو) کے مقدمہ میں دیکھا جا سکتا ہے،۔ یہاں خلاصۃ عرض ہے کہ علم حدیث کی تدوین وحفاظت کا انتظام جزوی طور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی سے شروع ہو چکا تھا، چنانچہ آپ علیہ السلام کے عہد مبارک ہی میں بہت سے صحابہ کرامؓ نے احادیث کے مجموعہ مرتب کر لئے تھے جن میں سے الصحیفۃ الصادقۃ، صحیفۃ علیؓ بن ابی طالب، صحیفۃ سعد بن عبادۃؓ صحیفۃ ابن مسعودؓ مشہور ومعروف تھے، نیز ان کے علاوہ اور صحابہؓ کے مرتب کردہ اور بھی صحائف تھے جن کی تفصیل کتب احادیث وتاریخ میں ملتی ہے، لیکن صحابہ کرامؓ کے مرتب کردہ ان صحائف میں احادیث کی تمام تعداد نہیں تھی اور نہ ہی صحابہؓ کی اس خدمت کو علم حدیث کی با قاعدہ تدوین کے نام سے جانا جاتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو آپؒ نے احادیث کے ضائع ہو جانے کے پیش نظر علم حدیث کو با قاعدہ مدون کرنے کی جانب دی چنانچہ آپؒ نے سب سے پہلے قاضی ابن حزمؒ علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۲۰ھ) کو ایک خط بایں الفاظ تحریر فرمایا:

انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فاني خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا يقبل الا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشوا العلم وليجلسوا حتى يعلّم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرّاً۔(۱)

ترجمۃ: دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی احادیث ہیں انہیں لکھ لو اس لئے کہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھ جانے کا خوف ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ (کسی اور کا قول وفعل) قبول نہ کیا جائے، اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھلائیں، علمی مجلس قائم کریں

---

(۱) بخاری شریف: باب کیف یقبض العلم ۱/۲۰ مقدمہ درس ترمذی ۱/۳۰۔ الکلام المجود ص: ۲۶۔

تا کہ جس علم کو وہ نہیں جانتے اس کو حاصل کرلیں کیونکہ علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔

واضح رہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ خط بخاری شریف اور موطاء امام محمدؒ میں منقول ہے، اور بخاری شریف اور موطاء امام محمدؒ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ خط صرف مدینہ منورہ کے قاضی حضرت ابوبکر بن حزمؒ کے نام تھا، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تاریخ اصفہان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی مملکت کے تمام قاضیوں کو یہ خط روانہ کیا تھا۔

بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس خط کے بعد آپؒ کی پوری قلمرو میں بڑے پیمانے پر حدیث شریف کی جمع وتدوین کا کام شروع ہوا، اور پہلی صدی ہجری ختم ہوتے ہوتے حدیث شریف کی بڑی بڑی کتابیں بنام کتب ابی بکر بن حازمؒ، رسالہ حضرت سالمؒ بن عبداللہؓ، دفاتر امام زہریؒ، کتاب السنن (امام ابن مکحول علیہ الرحمۃ کی) ابواب الشعبیؒ، وغیرہ باقاعدہ مرتب ہوکر وجود میں آگئیں۔

پہلی صدی مکمل ہونے کے بعد دوسری اور تیسری صدی ہجری میں احادیث کی جمع وتدوین کا کام نہایت زوروشور اور دلجمعی کے ساتھ جاری رہا اور تیسری صدی مکمل ہوتے ہوتے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب، وجہ تخلیق کائنات، جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کو رہتی دنیا تک کے لئے مکمل طریقہ سے محفوظ فرمادیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اجناس العلوم میں علم حدیث کا مقام:

واضح رہے کہ دنیا میں جتنے علوم پائے جاتے ہیں ان میں ہر ایک کا اپنا کوئی نہ کوئی درجہ ہوتا ہے، پس ان علوم میں علم حدیث کا بھی ایک درجہ ہے چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کے بعد اگر دنیا میں کسی علم مرتبہ حاصل ہے تو وہ علم حدیث ہے، جبکہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ علم حدیث وہ مبارک علم ہے جو تفسیر وفقہ دونوں سے متعلق ہے اس لئے اجناس العلوم میں اس کو اہم مرتبہ حاصل ہے۔

علم حدیث کا شرعی حکم:

واضح رہے کہ علم حدیث کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کسی علاقہ میں صرف ایک ہی مسلمان ہو تو اس پر علم حدیث کا حاصل کرنا فرض ہے، اور اگر زیادہ مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے۔(۱)

سنن ابی داؤد کا ایک مختصر تعارف:

سنن ابی داؤدؒ، حضرت امام ابوداؤد سجستانیؒ کی لازوال تصنیف ہے اور اپنے زمانہ تصنیف سے لیکر آج تک علماء، فقہاء اور عوام الناس کے نزدیک قابل قدر رہی ہے، اس کتاب میں حضرت امام ابوداؤدؒ نے قال ابوداؤدؒ کہکر احادیث پہ ان کی صحت اور ضعف کے اعتبار سے حکم لگایا ہے وہیں دوسری جانب فقہاء کے مستدلات اور روات کے لفظی اختلاف کو بھی بیان کیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی کے ساتھ سند حدیث کی موشگافیوں کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ علماء اور فقہاء نے ہر زمانے میں اس کتاب سے استفادہ کیا اور اس کی تعریفات بیان کی ہیں چنانچہ امام غزالیؒ علیہ الرحمۃ تو اس کتاب کے متعلق یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجتہد کیلئے صرف یہی ایک کتاب کافی ہے۔ حضرت امام غزالیؒ کے اس قول سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ علماء نے اس کتاب کو کتنی وقعت دی ہے، اور آج بھی اس کے درس وتدریس میں مشغول ہیں۔

صاحب کتاب حضرت امام ابوداؤدؒ کی مختصر سوانح حیات:

صاحب کتاب حضرت امام ابوداؤدؒ کا نام نامی سلیمان کنیت ابوداؤدؒ، اور والد محترم کا نام اشعث ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد عمرو الازدی، آپ کا تعلق چونکہ یمن کے مشہور قبیلہ ازد سے تھا اس لئے نسبت کے اعتبار سے آپ کو ازدی کہا جاتا ہے اور کبھی آپ کو سجستانی، اور سنجری بھی کہا جاتا ہے بلکہ ہمارے بلاد ہند میں آپ کے ساتھ سجستانی کی نسبت معروف ہے۔

واضح رہیکہ حضرت امام ابوداؤدؒ کی پیدائش تیسری صدی ہجری کے آغاز ۲۰۲ھ ہوئی اور آپ نے تحصیل علم کیلئے مختلف بلاد اسلامیہ مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور بغداد کا بار بار سفر

(۱) مقدمة کشف الباری ۱/۱۷، نصر الباری ۱/۱۵ الکلام المجود شرح الموطاء للامام محمدؒ ص: ۵۶۔

فرمایا، اسی لئے آپ کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے، چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے" سمع خلقاً کثیراً" آپؒ نے بہت سے اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ کے اساتذہ کی تعداد تقریباً تین سو تھی، آپؒ کے اساتذہ میں جہاں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے شیوخ شامل ہیں وہیں مسدد بن مسرہدؒ، یحییٰ بن معینؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، عثمان بن ابی شیبہؒ، قعنبیؒ، ابو الولید الطیالسیؒ، محمد بن کثیر عبدیؒ، مسلم بن ابراہیمؒ، ابو عمر وحوضیؒ، ابو جعفر نفیلیؒ، قطن بن نسرؒ جیسے جلیل القدر محدثین بھی شامل ہیں، آپؒ اپنے زمانے کے امام الحدیث والفقہ تھے، حدیث وفقہ دونوں میں آپؒ کو ید طولیٰ حاصل تھا، اور یہی وجہ تھی کہ آپؒ کے ہم عصر علماء میں آپؒ کے تلامذہ کی تعداد ہمیشہ ممتاز رہی، آپؒ کے نام گرامی شاگردوں میں حضرت امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کا نام نامی نہایت روشن ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آپؒ اپنے وقت کے جلیل القدر مفسر، محدث، فقیہ اور ولی اللہ تھے، آپؒ کے فضائل ومناقب بیان کرنے میں تمام مؤرخین اور تذکرہ نویس رطب اللسان ہیں آپؒ کے ضبط واتقان، زہد وتقویٰ اور فہم صادق کی مدح میں تمام علماء متفق ہیں، موسیٰ بن ہارونؒ جو آپؒ کے معاصر ہیں فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ دنیا میں علم حدیث کی خدمت اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، میں نے آپؒ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا ہے آخر عمر میں آپ کا قیام بصرہ میں رہا اور وہیں ۶ رشوال ۲۷۵ھ کو آپ نے دنیاء فانی سے عالم بقاء جانب روانگی فرمائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے ☆ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿سوال ۱﴾

﴿سنن أبی داوٗد صفحہ۲﴾

بَابُ التَّخَلِّیْ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ: عَنِ الْمُغِيْرَةِبْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ.

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) اس حدیث کا بظاہر ترجمۃ الباب سے تعلق معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ باب میں تخلی کا ذکر ہے جو حدیث میں نہیں ہے، آپ حدیث کا باب سے تعلق ثابت کریں (ج) اُبعد فعل متعدی ہونے کی وجہ سے مفعول کا محتاج ہے لیکن حدیث میں مفعول مذکور نہیں ہے اس کی وجہ تحریر کریں (د) المذہب میں میم مصدری ہے یا ظرف کا یا دونوں کا احتمال ہے، اگر دونوں کا احتمال ہو تو اس کی تشریح فرما کر اُبعاد کی تحدید کسی حدیث سے فرمائیں (ھ) حدیث مذکورہ فی السوال بظاہر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث "لقد ارتقیت علیٰ ظهر البیت فرأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجته" کے معارض ہے آپ اس تعارض کو دفع کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

قضاء حاجت کے وقت خلوت اختیار کرنے کا بیان: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام جب قضاء حاجت کیلئے تشریف لیجاتے تو (بہت) دور جاتے تھے۔

جواب (ب)

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں ہے

کیونکہ ترجمۃ الباب میں ''تـخـلـی'' یعنی قضاء حاجت کے وقت خلوت اختیار کرنے کا بیان ہے جبکہ حدیث شریف میں یہ ذکر نہیں ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے اگر چہ صراحتاً مطابقت نہیں ہے لیکن بطریق استنباط یہاں مطابقت موجود ہے، بایں طور کہ اس ترجمۃ الباب سے حضرت امام ابوداؤدؒ کا مقصد قضاء حاجت کے وقت خلوت وتنہائی اختیار کرنے کو بیان کرنا ہے، اور حدیث میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کیلئے جاتے تو دور جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب آدمی لوگوں سے الگ ہوکر دور جائے گا تو خلوت وتنہائی خود بخود حاصل ہوجائیگی پس بایں طور اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ثابت ہے۔(۱)

جواب (ج)

حدیث شریف میں ''أبعد'' کا مفعول ذکر نہ کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ حدیث شریف میں ذکر کردہ لفظ ''أبـــعــد'' فعل متعدی ہے نحوی اصول کے اعتبار سے اس کیلئے مفعول بہ کی ضرورت ہے لیکن حدیث شریف میں اس کا مفعول بہ مذکور نہیں ہے اس کی دو وجہ ہوسکتی ہیں (۱) پہلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا مفعول بہ یہاں محذوف ہو اس صورت میں اصل تقدیری عبارت ہوگی ''أبـعد عن أعين الناس'' واضح رہے کہ مفعول بہ کا یہ حذف توسعاً ہوتا ہے، چنانچہ حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی کثرت معانی مراد لینے اور تخصیص وتحدید کو ختم کرنے کیلئے توسعاً مفعول بہ کو حذف کردیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں ''أبعد'' فعل لازم کے معنی میں ہو یعنی ''أبعد عن الـــنـــاس'' اس صورت میں یہ مبالغہ کیلئے ہوگا اور مطلب ہوگا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کیلئے خوب دور جاتے تھے) واضح رہے کہ فعل متعدی کو فعل لازم کی جگہ کبھی کبھی مبالغۃً استعمال کرلیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) المنهل العذب المورود ۱/ ۲۲، الدر المنضود ۱/ ۷۹، السمح المحمود ۱/ ۵۲. (۲) درس ترمذی ۱/ ۲۱۹.

جواب (د)

المذہب کے میم کی تعیین:

المذہب: یہ مفعل کے وزن پر ہے، اس کا میم مصدر کا ہے یا ظرف مکان کا اس میں دونوں احتمال ہیں اگر میم کو مصدر کا مان کر اس کو مصدر میمی مانیں تو اس صورت میں ترجمہ ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے مخصوص جانا (یعنی قضاء حاجت کیلئے جاتے) تو بہت دور جاتے تھے۔ اور اگر میم کو ظرف کا مان کر اس کو ظرف مکان مانیں تو پھر ترجمہ ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے جانے کی جگہ (یعنی بیت الخلاء جاتے) تو بہت دور جاتے تھے۔ (۱)

حدیث کے ذریعہ ابعاد کی تحدید:

مذکورہ فی السوال حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام جب قضاء حاجت کیلئے تشریف لے جاتے تو دور جاتے تھے لیکن کتنی دور جاتے تھے اس کی حد اس حدیث میں مذکور نہیں ہے بلکہ اس کا بیان اس سے اگلی روایت میں ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد البراز انطلق حتی لایرہ احد'' حضور علیہ السلام جب قضاء حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور تشریف لے جاتے تھے کہ کوئی آپ علیہ السلام کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

نیز معارف السنن میں جمع الفوئد کے حوالہ سے مذکور ہے کہ طبرانی کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جانے کی مقدار دو میل کے قریب بیان کی گئی ہے۔ (۲)

جواب (ھ)

کیا حدیث مذکورہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کے معارض ہے:

واضح رہے کہ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے معارض ہے اس لئے کہ مذکورہ فی السوال حدیث میں یہ بیان

(۱) بذل المجهود، بیروت ۱/۱٦۷، الدر المنضود ۱/۷۹. (۲) الدر المنضود ۱/۷۹، السمح المحمود ۱/۵۲.

کیا گیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام قضاء حاجت کیلئے جاتے تو (لوگوں کی آبادی سے) بہت دور جاتے تھے جب کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ ہے کہ وہ ایک دن اچانک اپنے گھر کی چھت پر چڑھے تو انھوں نے آپ علیہ السلام کو دو اینٹوں پر بیٹھ کر استنجاء کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبادی میں استنجاء فرماتے تھے، اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ جناب مذکورہ فی السوال حدیث اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں حدیثیں دو الگ الگ زمانوں کے متعلق ہیں چنانچہ مذکورہ فی السوال حدیث اس زمانے کے متعلق ہے جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ استنجاء کیلئے آبادی سے دور تشریف لیجاتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت اس زمانے کے متعلق ہے جب گھروں میں بیت الخلاء بن چکے تھے، پس اس وقت آپ علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ آپؐ گھر ہی میں استنجاء فرمالیا کرتے تھے۔

نیز اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث کا تعلق سفر سے ہے، سفر میں آپ علیہ السلام قیام گاہ پر استنجاء نہ فرما کر دور تشریف لیجاتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا تعلق حضر سے ہے، حضر میں آپؐ دور نہ جا کر گھر ہی کے بیت الخلاء میں فارغ ہوجاتے تھے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲﴾

﴿سنن أبی داؤد صفحہ ۳﴾

عَنْ أَبِیْ أَیُّوْبَ رِوَایَةً: قَالَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا.

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ تحریر کریں (ب) حدیث شریف میں مذکور الفاظ "روایۃ" اور "شرقوا أو غربوا" کا مفہوم واضح کر کے حدیث شریف کا مختصر مطلب تحریر کریں (ج) لفظ "روایۃ" سے حدیث شریف پر کیا اثر پڑتا ہے اس کو تحریر کریں (د) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کے استقبال واستدبار میں ائمہ کرام کے مذاہب اور ہر ایک کی دلیل تحریر کریں.

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جب تم بیت الخلاء میں جاؤ) تو پیشاب اور پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب منھ مت کیا کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب کرلیا کرو۔

جواب (ب)

لفظ "روایةً" کا مفہوم:

لفظ "روایة" صیغہ "یروی" کا مفعول بہ ہے اس کی اصل عبارت ہے "یروی روایة" واضح رہے کہ عام طور پر یہ لفظ جب بولا جاتا ہے جب حدیث مرفوع ہوتی ہے اور راوی حدیث کے مرفوع ہونے کی صراحت کئے بغیر اس کو روایت کردیتا ہے۔

لفظ "شرقوا أو غربوا" کا مفہوم:۔

حدیث شریف میں مذکور لفظ "شرقوا أو غربوا" کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی قضاء حاجت کے وقت اپنا چہرا اور پیٹھ قبلہ کی جانب نہ کرے بلکہ ان کو مشرق یا مغرب کی جانب کرے۔

واضح رہے کہ مشرق ومغرب کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنے کا یہ حکم صرف اہل مدینہ اور ان لوگوں کیلئے ہے جن کا قبلہ شمال اور جنوب کی جانب ہے، رہے وہ حضرات جو ایسے شہروں میں رہتے ہیں جہاں کا قبلہ مشرق ومغرب ہی کی جانب ہے تو پھر ان کیلئے قضاء حاجت کے وقت مشرق ومغرب کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے اور ان کیلئے شمال یا جنوب کی طرف اپنا رُخ کرنا ضروری ہے(۱)

حدیث شریف کا مختصر مطلب:

حدیث مذکورہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو استنجاء کے ایک اہم ادب کی تعلیم

---

(۱) المنهل العذب المورود ۱/۳۹، الدر المنضود ۱/۹۶، السمح المحمود ۱/۵۲.

دی ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء میں جاؤ تو (ادب کے پیش نظر) قبلہ کی جانب اپنا چہرا یا پیٹھ مت کیا کرو بلکہ مشرق ومغرب میں سے کسی ایک جانب رُخ کرلیا کرو۔

واضح رہے کہ استنجاء کے وقت مشرق ومغرب کی جانب رُخ کرنے کا یہ حکم صرف اہل مدنیہ اوران علاقوں کے رہنے والے حضرات کیلئے ہے جن کا قبلہ شمال یا جنوب کی جانب ہے، رہے وہ حضرات جن کا قبلہ مشرق یا مغرب کی جانب ہے مثلاً ہندوستان اور پاکستان والے تو ان حضرات کیلئے حکم یہ ہے کہ یہ قضاء حاجت کے وقت اپنا رُخ شمال یا جنوب کی جانب رکھیں مشرق ومغرب کی جانب نہ رکھیں کیونکہ مشرق ومغرب کی جانب رُخ رکھنے میں قبلہ کی بے ادبی ہوگی جس کی اس حدیث میں ممانعت ہے۔

جواب (ج)

لفظ ''روایة'' سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے؟

واضح رہے کہ ''روایة ، یروی '' کا مفعول بہ ہے، راوی کے حدیث بیان کرتے ہوئے اس لفظ کو استعمال کرنے سے حدیث کی حیثیت پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ موقوف یا مقطوع کے درجہ سے نکل کر مرفوع کے حکم میں ہوجاتی ہے، چنانچہ اس کی تقدیری عبارت ہوتی ہے ''روایة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم '' اوراس طرح کسی روایت کا مرفوع ہونا محدثین کے نزدیک مرفوع حکمی کہلاتا ہے۔

جواب (د)

استنجاء کے وقت قبلہ کے استقبال واستدبار میں أئمہ کے مذاہب اور دلائل:

استنجاء کے وقت قبلہ کے استقبال واستدبار کے سلسلے میں أئمہ کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے مختلف مذاہب ہیں، جن میں سے مشہور درج ذیل دو مذاہب ہیں۔

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، آپؒ کے نزدیک قضاء حاجت کے وقت

بیت اللہ کا استقبال واستدبار کرنا خواہ آبادی میں ہو یا جنگل میں مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔

نوٹ:

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں احناف کا جو قول ہم نے ذکر کیا ہے وہ مفتی بہ قول ہے، اگر چہ اس سلسلے میں حضرت امام اعظمؒ سے اور بھی اقوال منقول ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار کرنا خواہ جنگل میں ہو یا آبادی میں مطلقاً مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، نیز ایک تیسرا قول یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کا استقبال کرنا تو مطلقاً (خواہ میں جنگل ہو یا آبادی میں) ناجائز ہے جبکہ استدبار دونوں جگہ جائز ہے، اور چوتھا قول جو در حقیقت حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے لیکن اس کو بھی حضرت امام اعظمؒ ہی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کا استدبار کرنا صرف آبادی میں جائز ہے اور جنگل میں استقبال واستدبار اور آبادی میں استقبال کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ لیکن ان تمام اقوال میں مشہور اور مفتی بہ قول اور احناف کا صحیح مذہب وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ (۱)

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرات أئمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کا استقبال واستدبار کرنا آبادی میں تو جائز ہے لیکن جنگل میں جائز نہیں ہے، البتہ جنگل میں اگر کوئی آڑ موجود ہو تو پھر وہاں بھی جائز ہے۔ (۲)

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام أعظم ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، کتب احادیث میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے ''**اذا أتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها**'' جب تم بیت خلاء جاؤ تو پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار مت کرو۔

(۱) حاشیہ سنن ابی داؤد ۱/۳، (۲) حاشیہ سنن ابی داؤد ۱/۳، الدر المنضود ۱/۹۱، ۹۲، السمح المحمود ۱/۴۲.

حضرت امام اعظم اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنے کو مطلقاً (خواہ آبادی میں ہو یا جنگل میں) منع فرماتے ہیں اور مطلقاً منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی اس حدیث میں آبادی یا جنگل کی قید لگائے بغیر قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرات أئمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات سے استدلال کیا ہے سنن ابی داؤد ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے ''لقد ارتقیت علیٰ ظهر البیت فرأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علیٰ لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجته'' (میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام دو انیٹوں پر بیٹھے ہوئے بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے قضاء حاجت فرما رہے ہیں) اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے ''نهیٰ نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن نستقبل القبلة ببول فرأیته قبل أن یقبض بعام یستقبلها'' (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں پیشاب کرنے کے وقت قبلہ کا استقبال کرنے سے منع فرمایا لیکن میں نے آپ علیہ السلام کو آپؐ کی وفات سے ایک سال قبل (پیشاب کے وقت) قبلہ کا استقبال کرتے ہوئے دیکھا ہے) حضرات أئمہ ثلاثہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے آبادی میں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کے استقبال واستدبار کو جائز قرار دیتے ہیں، اور جنگل کے متعلق چونکہ ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے اس لئے وہاں آڑ نہ ہونے کی صورت میں ایسا کرنا ناجائز فرماتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۳﴾
﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۳﴾

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ أبِیْ مَعْقِلِ الْاَسَدِيِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ بِبَوْلٍ اَوْغَائِطٍ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) قبلتین کی مراد لکھتے ہوئے قضاء حاجت کے وقت موجودہ زمانے میں بیت المقدس کی جانب چہرہ یا پیٹھ کرنے کا حکم تحریر کریں (ج) قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ شریف کے استقبال واستدبار کے سلسلے میں ائمہ کرام کے مذاہب مدلل تحریر کریں اور اس مسئلہ میں حنفیہ کے مذہب کو ترجیح دیں (د) حدیث مذکورہ، حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ''لقد ارتقیت علیٰ ظهر البیت فرأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجته'' کے معارض ہے آپ اس تعارض کی تقریر لکھ کر تعارض کو دور کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت معقل بن ابی معقل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب یا پاخانہ کرتے ہوئے دونوں قبلوں کا استقبال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

جواب (ب)

حدیث میں ''قبلتین'' سے کیا مراد ہے:

واضح رہے کہ مذکورہ حدیث شریف میں قبلتین سے قبلہ اول (بیت المقدس) اور موجودہ قبلہ بیت اللہ شریف مراد ہے۔(۱)

قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کی جانب رُخ کرنے کا حکم:

واضح رہے کہ موجودہ زمانے میں قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کی جانب چہرہ یا پیٹھ

(۱) حاشیہ سنن ابی داؤد ۱/۳، السمح المحمود ۱/۶۸.

کرنا ممنوع نہیں ہے، رہا حدیث میں ذکر کردہ ممانعت کا حکم تو یہ اصلاً اس وقت تھا جب بیت المقدس قبلہ تھا، اور اس زمانے میں علماء نے اس حکم کو ادب پر محمول کیا ہے کہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کی جانب رُخ نہ کیا جائے لیکن اگر کوئی کرلے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔(۱)

قضاء حاجت کے وقت قبلہ کے استقبال واستدبار میں أئمہ کے مذاہب:

اس جزئیہ مکمل جواب سابقہ سوال کے تحت گذر چکا ہے، وہیں ملاحظہ فرمالیں۔

مذکورہ مسئلہ میں احناف کے مذہب کی وجوہ ترجیح:

واضح رہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار کرنے کے مسئلہ میں احناف کا مذہب بچند وجوہ دیگر مذاہب سے راجح ہے، ترجیح کی ان وجوہات میں سے سب سے پہلی اور اہم وجہ یہ ہے کہ احناف نے اس مسئلہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''اذاأتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها '' (جب تم قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء جاؤ تو پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کا استقبال واستدبار مت کرو) اس روایت کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور یہ روایت محدثین کے نزدیک اس مسئلہ میں نہ صرف سب سے زیادہ صحیح ہے بلکہ قولی بھی ہے، جبکہ دیگر أئمہ نے جن روایات سے اپنے اپنے مذاہب پر استدلال کیا ہے وہ روایات فعلی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت قولی روایات کو فعلی روایات پر ترجیح ہوتی ہے پس بایں وجہ احناف کے مذہب کو دیگر أئمہ کے مذاہب پر ترجیح حاصل ہے۔(۲)

جواب (د)

حدیث مذکورہ فی السوال اور حدیث ابن عمرؓ میں تعارض کی تقریر:

واضح رہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے مابین

(۱) حاشیہ سنن ابی داؤد ۱/۳، المنهل العذب المورود ۱/۵۰. (۲) تحفة الالمعی شرح جامع الترمذی ۱/۲۰۹.

تعارض ہے بایں طور کے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں" لقد ارتقیت علیٰ ظهر البیت فرأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیٰ لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجته " (میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام دو انیٹوں پر بیٹھے ہوئے بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے قضاء حاجت فرما رہے ہیں) اور مدینہ منورہ میں بیت اللہ جنوب کی جانب اور بیت المقدس شمال کی جانب ہے لہذا مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی جانب چہرا کرنے سے بیت اللہ کی جانب پیٹھ کرنا لازم آتا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بیت اللہ کی جانب پیٹھ کر کے قضاء حاجت کی ہے اور ایسا کر لینا (یعنی قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کی جانب پیٹھ کر لینا) جائز ہے، جبکہ حدیث مذکورہ فی السوال ایسے موقع پر بیت اللہ کی جانب چہرا اور پیٹھ دونوں کرنے کو ممنوع قرار دیتی ہے، پس معلوم ہوا کہ ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

حدیث مذکورہ فی السوال اور حدیث ابن عمرؓ میں دفع تعارض:

ابھی حدیث مذکورہ فی السوال اور حدیث ابن عمرؓ کے درمیان تعارض کی جو صورت بیان کی گئی ہے علماء نے اس کو بہت سے طریقوں سے دور کیا ہے، چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بیان کردہ یہ روایت فعلی ہے جبکہ وہ تمام روایتیں جن میں قضاء حاجت کے وقت بیت اللہ کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے قولی ہیں اور تعارض کے وقت قولی روایات کو فعلی روایات پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور انہی پر عمل کیا جاتا ہے، جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں حضور علیہ السلام اصلاً بیت اللہ کا استدبار کیئے ہوئے نہیں تھے لیکن جب حضرت ابن عمرؓ چھت پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت ابن عمرؓ پر پڑی تو آپ علیہ السلام بتقضاء حیاء اپنی جگہ سے کچھ متحرک ہوئے (جیسا کہ عمومی طور پر ایسے مواقع پر ہوتا ہے) پس اس متحرک ہونے اور ہیئت بدلنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ بیت اللہ کی جانب ہوگئی جس کو حضرت ابن عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سمجھ کر بیان کر دیا ،جبکہ بعض علماء کہتے ہیں قضاء حاجت کے وقت کعبہ کا استدبار کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل ہیں اور افضل پر اپنے سے کم رتبہ والے کی تعظیم کرنا لازم نہیں ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳﴾

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: نَهيٰ نَبِيُّ صَلى اللّٰهُ عليه وسلمَ أنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ، فَرَأيْتُهُ قَبْلَ أنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب وضاحت کے ساتھ تحریر کریں (ج) قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب چہرا یا پیٹھ کرنے میں احناف کا کیا مذہب ہے اس کو تحریر کریں (د) نیز یہ حدیث اگر احناف کے مذہب کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرتے ہوئے قبلہ کی جانب چہرا کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن میں نے آپ علیہ السلام کو آپ کے دنیا سے تشریف لیجانے سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ (پیشاب کرتے ہوئے) قبلہ کا استقبال کئے ہوئے تھے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

مذکورہ حدیث شریف کا مطلب ترجمہ سے بالکل واضح ہے، حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیشاب کرتے ہوئے قبلہ کا استقبال کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے سے ایک سال

(۱) الدر المنضود ۱/۹۹، السمح المحمود ۱/۷۶، تحفۃ الالمعی ۱/۲۰۹.

قبل دیکھا کہ آپؐ پیشاب کرتے ہوئے قبلہ کا استقبال کئے ہوئے تھے، اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کا استقبال کرنا جائز ہے، لیکن امت کے جمہور فقہاء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، اس اختلاف کی مکمل تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

جواب (ج)

قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب چہرایا پیٹھ کرنے میں احناف کا مذہب:

قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب چہرایا پیٹھ کرنا احناف کے نزدیک خواہ جنگل میں ہو یا آبادی میں قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

جواب (د)

کیا مذکورہ فی السوال حدیث مذہب احناف کے خلاف ہے؟:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حضرت جابرؓ کی یہ حدیث مذہبِ احناف کے خلاف ہے لیکن احناف کی جانب سے اس حدیث کے مدلل جوابات دیئے جاتے ہیں، انہی جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں دوراوی ایک حضرت ابان بن صالحؒ اور دوسرے حضرت محمد بن اسحاقؒ ضعیف ہیں، پس احناف کی مضبوط اور صحیح روایت کے مقابلہ میں اس ضعیف روایت سے استدلال کرنا اور آبادی میں قضاء حاجت کرتے ہوئے قبلہ کی جانب رُخ کرنے کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳﴾

قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليهِ وسلمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ حَاجَةً لاَ يَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ، قَالَ أَبُوْدَاؤدَ رَوَاهُ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ وَهُوَ ضَعِيفٌ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) سوچ کر مطلب تحریر کریں (ج) ''ھو ضعیف'' میں ''ھو'' ضمیر کا مرجع متعین کریں پھر ضعیف ہونے کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت زہیر بن حربؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت وکیعؒ نے، ان سے حضرت اعمشؒ نے، ان سے ایک شخص نے اور ان سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے تب تک کپڑا نہیں اُٹھاتے تھے، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو عبد السلام بن حرب نے حضرت اعمشؒ کے واسطہ سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے اور یہ (طریق) ضعیف ہے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے جب آدمی بیت الخلاء میں جائے اور قضاء حاجت کیلئے اپنے ستر سے کپڑا اہٹائے تو یک دم نہ ہٹائے بلکہ آہستہ آہستہ زمین کی جانب جھکتے ہوئے بتدریج ستر کو کھولے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کیلئے اپنا ستر کھولنا صرف ضرورت کے وقت جائز ہے اور قضاء حاجت کے وقت ستر کھولنے کی ضرورت بیٹھنے کے وقت متحقق ہوتی ہے پس آدمی کو چاہئے کہ بیت الخلاء میں جا کر قضاء حاجت کیلئے بیٹھتے ہوئے ستر کو کھولے، کھڑے کھڑے یک دم ستر کھلنا صحیح نہیں ہے، نیز خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی پر تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کا ارداہ فرماتے تو اپنے ستر سے اسی وقت کپڑا اہٹاتے تھے جب زمین کے بالکل قریب ہو جاتے، اس سے پہلے ستر سے کپڑا نہیں ہٹاتے تھے۔

جواب (ج)

''ھو ضعیف'' میں ''ھو'' ضمیر کا مرجع:

حضرت امام ابو داؤدؒ کی عبارت ''وھو ضعیف'' میں ''ھو'' ضمیر کا مرجع شیخ عبد السلامؒ

بن حرب کی روایت کردہ حدیث ہے، یہ ضمیر خود عبد السلامؒ کی جانب راجع نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبد السلامؒ بذات خود ایک ثقہ راوی ہیں اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔

شیخ عبد السلامؒ کی روایت کردہ حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیخ عبد السلامؒ بن حرب ثقہ روای ہیں تو ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ عبد السلامؒ کی روایت کردہ حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ اس میں انقطاع ہے بایں طور کہ اس روایت کا دارومدار حضرت امام اعمشؒ پر ہے اور امام اعمشؒ سے اس روایت کو ان کے دو شاگرد حضرت وکیعؒ اور عبد السلامؒ روایت کرتے ہیں، ان دونوں شاگردوں میں سے حضرت وکیعؒ امام اعمشؒ اور حضرت انسؓ بن مالک کے درمیان ایک رجل مبہم کا واسطہ ذکر کرتے ہیں جبکہ حضرت عبد السلامؒ کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے حالانکہ حضرت امام اعمشؒ کا سماع حضرت انسؓ بن مالک سے ثابت نہیں ہے، اس لئے شیخ عبد السلامؒ کی روایت کردہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٦﴾

﴿سنن أبی داود صفحہ ۴﴾

عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى اللّٰه عليه وسلمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ: قَالَ أَبُوْ دَاؤد: هٰذا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ، وَالْوَهْمُ فِيْهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوِهِ إلَّا هَمَّامٌ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مختصر مطلب تحریر کریں (ج) ہمامؒ ثقہ راوی ہیں پھر امام ابوداؤدؒ کا ان کو منکر کہنا کیوں کر صحیح ہے؟ پہلے منکر کی مختلف تعریفات بیان کریں پھر تحریر کریں کہ امام ابوداؤدؒ نے ان کو منکر کس اعتبار سے کہا ہے (د) ہمامؒ کا کوئی متابع موجود ہے یا نہیں اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے، تحریر کریں (ہ) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی پھینکنے کا واقعہ بھی مذکور ہے بتائیں کہ آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی پھینکی تھی یا سونے کی۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ہمامؒ حضرت ابن جریجؒ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس میں حضرت ہمام کی جانب سے وہم (واقع ہوا) ہے کیونکہ ہمامؒ کے علاوہ اس (حدیث) کو اور کوئی روایت نہیں کرتا ہے۔

جواب (ب)

حدیث شریف کا مختصر مطلب:

حدیث مذکورہ فی السوال کا مختصر مطلب یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی مبارک انگوٹھی باہر اتار کر رکھ دیتے تھے اور ایسا اس لئے کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا، پس اللہ رب العزت کے نام نامی کی عظمت کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس انگوٹھی کو باہر اتار کر بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے۔

جواب (ج)

حدیث منکر کی مختلف تعریفات:

حدیث منکر کس حدیث کو کہتے ہیں اس سلسلے میں علماء کے دو قول ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ حدیث منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی راوی شدید الضعیف ہو مثلاً متہم بالکذب ہو اور وہ ثقہ راوی کی مخالفت بھی کر رہا ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں راوی صرف شدید الضعیف ہو اس سے بحث نہیں کہ وہ اپنے سے قوی اور ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہے یا نہیں۔

امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو منکر کیوں کہا ہے:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوداؤدؒ نے حدیث مذکورہ فی السوال کو ہمام بن یحییٰ

کی وجہ سے منکر قرار دیا ہے لیکن منکر کی مذکورہ بالا دونوں تعریفات کے اعتبار سے یہ حدیث منکر نہیں ہے، کیونکہ منکر ہونے کیلئے راوی کا شدید الضعیف ہونا ضروری ہے جبکہ ہمام بن یحیی نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں تو پھر امام ابوداؤدؒ کا اس حدیث کو منکر کہنا کیوں کر صحیح ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو اس لئے منکر کہا ہے کہ حضرت ہمام بن یحییٰؒ سے اس حدیث کو روایت کرنے میں دو وہم سرزد ہوئے ہیں، ایک وہم کا تعلق سند سے ہے اور دوسر کا متن سے، سند کا وہم یہ ہے کہ حضرت ہمامؒ نے اس حدیث کو حضرت ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے اور ابن جریجؒ اور امام زہریؒ کے درمیان ایک واسطہ جو زیادؒ بن سعد کا تھا اس کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ اصل سند اس طرح تھی ''عن جریج عن زیا د بن سعد عن الزھری '' اور متن میں جو وہم واقع ہوا ہے وہ یہ کہ حضرت ہمامؒ نے جو متن بیان کیا وہ اس سند کا نہیں ہے بلکہ اس سند کا اصل متن وہ ہے جو ابن جریجؒ کے دوسرے شاگرد مثلاً عبداللہ بن الحارث المخزومیؒ اور ابو عاصم ہشام بن سلیمانؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے'' ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاہ '' (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پھر اس کو پھینک دیا) اس متن کو خود امام ابوداؤدؒ نے بھی ذکر کیا ہے، پس یہاں حضرت ہمامؒ سے دو وہم سرزد ہوئے ہیں ان دو وہموں کی وجہ سے امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہمامؒ تو ثقہ روای ہیں پھر حدیث منکر کیوں ہوگئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمامؒ اگر چہ ثقہ روای ہیں لیکن متکلم فیہ ہیں نیز اس روایت کو بیان کرنے میں وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے اختلاف کر رہے ہیں اس لئے امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے، یا پھر دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں منکر بمعنی معلول ہے، چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے تہذیب السنن میں یہی قول نقل کیا ہے۔

جواب (د)

حضرت ہمامؒ کا کوئی متابع موجود ہے یا نہیں؟

حضرت امام ابوداؤدؒ نے اگر چہ حضرت ہمامؒ کو اس حدیث کے روایت کرنے میں منفرد قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے ہمامؒ منفرد نہیں ہیں بلکہ بیہقی میں یحییٰ بن متوکلؒ نے اور دار قطنیؒ کی کتاب

العلل میں یحییٰ بن الضریسؒ نے ہمامؒ کی متابعت کی ہے۔(۱)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے:

حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح و تحسین دونوں کی ہیں چنانچہ آپؒ نے ترمذی شریف کی کتاب اللباس میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس پر'' ھذا حدیثٌ، حسنٌ صحیحٌ، غریبٌ ''فرمایا ہے۔

جواب (ھ)

حضور علیہ السلام نے کونسی انگوٹھی پھینکی تھی؟

حضور علیہ السلام نے چاندی یا سونے میں سے کس کی بنی ہوئی انگوٹھی پھینکی ہے اس سلسلے میں کتب احادیث کے اندر دونوں طرح کی روایات موجود ہیں چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے صرف سونے کی انگوٹھی پھینکی ہے جبکہ کچھ روایات سے چاندی کی انگوٹھی پھینکنا بھی ثابت ہے، لیکن احادیث کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے صرف سونے کی انگوٹھی پھینکی ہے اور رہی چاندی کی انگوٹھی تو وہ آپ علیہ السلام نے نہیں پھینکی بلکہ اس کو آخر عمر تک استعمال کیا ہے۔ اب رہی وہ روایت جس میں چاندی کی انگوٹھی پھینکنے کا ذکر ہے تو اس کو محدثین نے راوی حدیث حضرت امام زہریؒ کا وہم قرار دیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۴﴾

عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ: قَالَ أَبُوْدَاؤد: هَذَاحَدِيْثٌ مُنْكَرٌ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِبْنِ سَعْدٍ عَنِ

(۱) الدر المنضود ۱/۱۰۹، السمح المحمود ۱/۹۴۔

الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَس اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اِتَّخَذَ خَاتَماً مِنْ وَرَقٍ ثُمَّ اَلْقَاهُ، وَالْوَهْمُ فِيْهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوِهِ اِلَّا هَمَّامٌ.

(الف) حدیث شریف باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) بیت الخلاء میں جانے کا کیا ادب اس حدیث میں بیان ہوا ہے اس کو تحریر کر کے بتائیں کہ انگوٹھی کو قضاء حاجت کے وقت ساتھ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ (ج) حدیثِ منکر اور معروف کی مشہور تعریفات بیان کریں (د) حدیث منکر کی جو تعریف حافظ ابن حجرؒ نے نخبہ میں فرمائی ہے اس کو بیان کر کے بتائیں کہ منکر کی اس کے علاوہ کوئی اور تعریف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو بھی تحریر کریں (ھ) حافظ ابن حجرؒ نے منکر کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے راوی کا ضعیف ہونا ضروری ہے اور ہمامؒ ثقہ راوی ہیں تو اس حدیث کو منکر کہنا کیوں کر صحیح ہے؟ بوضاحت تحریر کریں (و) پھر زیادؒ بن سعد کی حدیث کا مضمون کچھ اور ہے اور ہمامؒ کی حدیث کا مضمون کچھ اور، آپ دونوں کی وضاحت کریں اور بتائیں کہ سونے کی انگوٹھی پھینکنے کا واقعہ صحیح ہے یا چاندی کی جو بھی ہو سوچ کر تحریر کریں، امام ابوداؤدؒ کا ''لم یروه الا همام'' کہنا واقع کے مطابق ہے یا نہیں اور کیا ہمامؒ کا کوئی متابع موجود ہے یا نہیں؟ اس کو دلیل کے ساتھ تحریر کر کے حدیث ہمامؒ سے نکارت کا حکم زائل کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ہمامؒ حضرت ابن جریجؒ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور مشہور اس طرح ہے ''عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِبْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَس اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اِتَّخَذَ خَاتَماً مِنْ وَرَقٍ ثُمَّ اَلْقَاهُ'' کہ حضرت جریجؒ حضرت امام زہریؒ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور پھر اس کو نکال دیا اور اس حدیث میں حضرت ہمام کی جانب سے وہم (واقع ہوا) ہے کیونکہ ہمامؒ کے علاوہ اس (حدیث) کو اور کوئی روایت نہیں کرتا ہے۔

جواب (ب)

اس حدیث میں بیت الخلاء جانے کا کیا ادب بیان کیا گیا ہے؟:

واضح رہے کہ اس حدیث میں بیت الخلاء جانے کا یہ ادب بیان کیا گیا ہے کہ بیت الخلاء جاتے ہوئے اگر کوئی ایسی چیز ساتھ ہو جس پر اللہ رب العزت کا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لکھا ہوا ہو تو اس کو باہر نکال کر رکھ دیا جائے۔

انگوٹھی کو بیت الخلاء میں ساتھ لیجانے کا حکم:

واضح رہے کہ اگر انگوٹھی پر کوئی اسلامی چیز مثلاً اللہ رب العزت کا نام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یا ان کے علاوہ اور کوئی چیز مثلاً قرآن کریم کی آیت وغیرہ لکھی ہوئی ہوں تو ان کو قضاء حاجت کے وقت بیت الخلاء میں اپنے ساتھ اندر لیجانا جائز نہیں ہے بلکہ ان کو باہر اتار کر رکھ دینا ضروری ہے اور اگر انگوٹھی پر ایسی کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے تو پھر اس کو اپنے ساتھ اندر لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث منکر اور معروف کی مشہور تعریفات:

حدیث منکر کی مشہور تعریف یہ ہے کہ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی راوی ایسا ہو جس کی کا فسق، غفلت اور روایت میں غلطی کرنا مشہور ہو پس اگر کسی روایت میں مذکورہ اوصاف کا کوئی راوی ہوتا ہے تو اس کی روایت کردہ یہ روایت محدثین کی اصطلاح میں منکر کہلاتی ہے۔

اور حدیث معروف کی مشہور تعریف یہ ہے معروف وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوا یسا ثقہ راوی ہو جو اس حدیث کو اپنے سے ضعیف راوی کی مخالفت کے ساتھ روایت کرے۔ پس جو روایت اس طرح کی ہوتی ہے وہ محدثین کی اصطلاح میں معروف کہلاتی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجرؒ نے نخبہ میں حدیث منکر کی کیا تعریف کی ہے؟:

حافظ ابن حجرؒ نے نخبۃ الفکر میں منکر کی یہ تعریف ہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس کا راوی اپنی روایت میں کسی ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث ۷۴ تا ۷۵.

لیکن واضح رہے کہ حدیث منکر کی صرف یہی ایک تعریف نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی حدیث منکر کی تعریفات ہیں جن میں سے ایک تعریف وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے جبکہ دوسری تعریف یہ ہے کہ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی صرف شدید الضعیف ہو اس سے بحث نہیں کہ وہ اپنے سے قوی اور ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہے یا نہیں۔

کیا حضرت ہمامؒ ضعیف راوی ہیں؟:

حافظ ابن حجرؒ نے حدیث منکر کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے اس حدیث کے راوی حضرت ہمامؒ کا ضعیف ہونا ضروری ہے اور حضرت امام ابو داؤدؒ نے بھی اس حدیث کو منکر کہا ہے حالانکہ ہمامؒ تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق ثقہ راوی ہیں، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ہمامؒ ثقہ ہیں تو پھر امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث پر منکر ہونے کا حکم کیوں لگایا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے منکر کی جو تعریف کی ہے وہ اس حدیث پر صادق آئے گی یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جناب حضرت ہمامؒ بالکل ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے منکر کی جو تعریف کی ہے وہ اس حدیث پر صادق نہیں آتی ہے اور رہا حضرت امام ابو داؤدؒ کا اس حدیث کو منکر کہنا تو اس کا مکمل تفصیلی جواب سابقہ سوال کے تحت گزر چکا ہے۔

جواب (ج)

حضرت ہمامؒ اور حضرت زیادؒ کی بیان کردہ احادیث کی وضاحت

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال یہ حدیث دو راویوں سے مروی ہے، ایک راوی حضرت ہمامؒ ہیں جو یہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے جب کہ دوسرے راوی حضرت زیادؒ بن سعد ہیں جو یہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور پھر اس کو نکال دیا، اور حضرت امام ابو داؤدؒ نے ان دونوں میں سے حضرت ہمامؒ کی روایت کو منکر اور حضرت زیادؒ بن سعد کی روایت کو معروف قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت ہمامؒ کی بیان کردہ یہ روایت منکر (بمعنی ضعیف) نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے سونے کی انگوٹھی کو اتارا تھا چاندی کی انگوٹھی کو نہیں اتارا تھا

بلکہ چاندی کی انگوٹھی آپ علیہ السلام کے پاس آخر عمر تک رہی تھی۔

حضرت ہمامؒ کے متابع کی نشاندہی:

اس جزئیہ کا جواب بھی سابقہ سوال کے تحت گذر چکا ہے۔

مذکورہ فی السوال یہ حدیث منکر نہیں ہے:

واضح رہے کہ امام ابوداؤدؒ نے مذکورہ فی السوال روایت پر اگرچہ منکر ہونے کا حکم لگایا ہے لیکن یہ روایت منکر (بمعنی ضعیف) نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، رہا امام ابوداؤدؒ کا اس کو منکر کہنا تو وہ یا تو حضرت ہمامؒ کے اس وہم کی وجہ سے ہے جو ان سے اس حدیث کی سند میں واقع ہوا ہے یا پھر منکر یہاں بمعنی معلول ہے۔ کما مر بالتفصیل۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ۴﴾

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَتَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ علیه وسلمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِماً ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَسَحَ عَلَىٰ خُفَّيْهِ. قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: قَالَ مُسَدَّدٌ: قَالَ: فَذَهَبْتُ أَتَبَاعَدُ فَدَعَانِيْ حَتّٰى كُنْتُ عِنْدَ عَقِبَيْهِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) مذکورہ حدیث حضرت عائشہؓ کی راویت ''من حدثکم أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بال قائما فلا تصدقوہ'' کے معارض ہے ان دونوں میں تطبیق دیں (د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی قابل قبول توجیہ ذکر کریں (ھ) قال أبوداؤدؒ کا مقصد واضح کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی

(۱) الدر المنضود ۱/۱۰۹، السمح المحمود ۱/۹۳.

کوڑی پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مسددؒ نے اور زیادہ روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں پیچھے ہٹنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا حتیٰ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کے پاس تھا۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

حدیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پیشاب کرنے کے ارادہ سے ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کرنے کیلئے پانی لایا اور پانی رکھ کر وہاں سے ہٹنے لگا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں اطمئنان سے پیشاب فرمالیں لیکن وہاں چونکہ کوئی آڑ نہیں تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس بلالیا میں واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کے قریب آڑ کر کے کھڑا ہوگیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑی پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور پھر وضو کرتے ہوئے اپنے خفین پر مسح فرمایا۔

جواب (ج)

حدیث مذکورہ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث سکے درمیان دفع تعارض:

واضح رہیکہ حدیث مذکورہ فی السوال بظاہر حضرت عائشہؓ کی حدیث ''من حدثکم أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بال قائما فلا تصدقوہ'' کے معارض ہے، لیکن بقول محدثین ان دونوں روایات کے درمیان حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے اور تعارض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی روایات میں حضور علیہ السلام کی عام عادت شریفہ کو بیان کیا ہے جبکہ حضرت حذیفہؓ نے گھر کے باہر پیش آنے والے ایک اتفاقی اور جزئی واقعہ کو بیان کیا ہے۔

جواب (د)

حضور علیہ السلام کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی توجیہ:

حضور علیہ السلام نے کوڑی پر کھڑے ہو کر کس وجہ سے پیشاب کیا تھا اس کی علماء نے بہت

سی توجیہات بیان کی ہیں لیکن ان میں درج ذیل دو توجیہات کو چھوڑ کر اکثر توجیہات ضعیف ہیں، پہلی صحیح توجیہ یہ ہے کہ جس وقت آپ نے کوڑی پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا اس وقت آپ علیہ السلام کے گھٹنے میں تکلیف تھی جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کیلئے بیٹھنا مشکل تھا، اس توجیہ کی تائید حاکمؒ اور بیہقیؒ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسمیں ''بال قائما'' کے ساتھ ''بوجع کان فی مابضہ'' کے الفاظ موجود ہیں واضح رہے کہ یہ روایت اگر چہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن قیاسی توجیہات کے مقابلہ میں بہر حال راجح ہے۔

اور اس سلسلے میں دوسری صحیح توجیہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے کوڑی پر کھڑے ہو کر پیشاب بیان جواز کیلئے کیا تھا تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ بوقت ضرورت بدرجہ مجبوری کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے۔(۱)

جواب (ھ)

قال ابوداؤدؒ کا مقصد:

حدیث مذکورہ میں قال ابوداؤدؒ کہنے سے امام ابوداؤدؒ کا مقصد اپنے دو اساتذہ کی روایات کے درمیان فرق کو بیان کرنا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یہ روایت ہمارے دو استاذ حضرت حفص ابن عمرؒ اور حضرت مسددؒ نے بیان کی ہے، حضرت حفصؒ نے ہم سے اس روایت کو صرف اتنا بیان کیا ہے جتنا ہم نے کتاب میں بیان کیا ہے، رہے حضرت مسددؒ تو انھوں نے اس روایت میں کچھ الفاظ کی زیادتی بیان کی ہے اور وہ زیادتی والے الفاظ'' فذهبت أتباعد ،فدعانی حتیٰ کنت عند عقبیه'' ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۶﴾

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیه وسلم قَالَ مَنِ اکْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ

(۱) درس ترمذی ۱/۲۰۰، تحفة الالمعی ۱/۲۱۴،(۱) السمح المحمود ۱/۱۰۶۔

مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَجَ وَمَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لاَكَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ اِلَّا اَنْ يَجْمَعَ كَثِيْبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِيْ آدَمَ ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَجَ: قَالَ اَبُوْ دَاوُد: رَوَاهُ اَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ ثَوْرٍ، قَالَ حُصَيْنُ الْحِمْيَرِيُّ قال وراوهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بن صبّاح عَنْ ثَوْرٍ فَقَالَ اَبُو سَعِيْدُ الْخَيْرُ ،قَالَ اَبُوْ دَاوُد: اَبُوْ سَعِيْدُ الْخَيْرُ هو مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صلیٰ اللّٰه علیه وسلم.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ استجمار میں یہ حدیث کس امام کی دلیل ہے ان کے مسلک کی وضاحت کے ساتھ تحریر کریں (ج) نیز بتائیں کہ جب استتار عند الغائط ضروری ہے تو پھر ''مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَجَ '' کیوں فرمایا گیا ہے اور یہ فرمانا کس معنیٰ کر صحیح ہے (د) اسی کے ساتھ ''قال أبو دؤد'' کی مکمل تشریح تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة الحديث:

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص سرمہ لگائے تو طاق بار لگائے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو (استنجاء کیلئے) ڈھیلے لے تو طاق عدد لے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو کھانا کھائے اور خلال سے کچھ نکالے تو اس کو پھینک دے اور جو زبان سے لگا رہے تو اس کو نگل لے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص بیت الخلاء جائے تو آڑ میں جائے اگر کوئی آڑ نہ ہو سکے تو ریت کا ایک ڈھیر لگا کر اسکی آڑ میں بیٹھ جائے اس لئے کہ شیطان آدمی کی شرم گاہ سے کھیلتا ہے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو عاصمؒ نے حضرت ثورؒ کے واسطے سے (یہ روایت نقل کرتے ہوئے) حصین الحمرانی کی جگہ الحمر انی کہا ہے اور حضرت عبدالملکؒ نے حضرت ثورؒ کے واسطے سے (یہ روایت نقل کرتے ہوئے) ابوسعیدؒ الخیر کہا ہے (یعنی الخیر کا اضافہ کیا ہے) حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید الخیرؓ تو صحابی ہیں۔

جواب (ب)

مسئلہ استجمار میں یہ حدیث کس امام کی دلیل ہے؟:

مسئلہ استجمار (یعنی ڈھیلوں سے استنجاء کرنے) میں یہ حدیث حضرت امام اعظمؒ کی دلیل ہے۔

واضح رہے کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ اگر تین ڈھیلوں سے کم میں پاکی حاصل ہو جاتی ہے تو تین کے عدد کو مکمل کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور اگر تین ڈھیلوں سے زیادہ میں پاکی حاصل ہوتی ہے تو پھر زیادہ کا استعمال کرنا ضروی ہے، اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں اگر پاکی تین ڈھیلوں سے زیادہ میں حاصل ہوتی ہے تو زیادہ استعمال کرنا ضروری ہیں لیکن اگر تین سے کم میں حاصل ہو جاتی ہے تو تین کے عدد کو مکمل کرنا واجب ہے۔

جواب (ج)

"من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج" کہنا کیسے صحیح ہے؟:

اس میں شک نہیں ہے کہ قضاء حاجت کے وقت پردہ اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پردہ اختیار کرنا لازم ہے تو پھر حدیث مذکوہ فی السوال میں "مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لاَ فَلاَ حَرَج" کہکر اس وقت پردہ اختیار کرنے اور نہ کرنے کا اختیار کیوں دیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جناب حدیث مذکورہ کے اس جملہ کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ قضائے حاجت کرنے والے کو کوئی دیکھ نہ رہا ہو پس اس صورت میں بھی اگر وہ پردہ اختیار کرے تو اس کیلئے بہتر ہے اور اگر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس کو کوئی دیکھ رہا ہو تو پھر اس کیلئے پردہ اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے۔

جواب (د)

قال ابوداؤدؒ کی مکمل تشریح:

واضح رہیکہ قال ابوداؤدؒ فرما کر حضرت امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کی سند میں واقع ہونے اختلاف کو بیان کیا ہے، اس اختلاف کی مکمل تفصیل یہ ہیکہ راوی حدیث حضرت ثورؒ بن یزید کے تین شاگرد ہیں (۱) حضرت عیسیٰ بن یونس (۲) ابو عاصم النبیل (۳) عبد الملک بن صباح، حضرت ثورؒ بن یزید کے ان تینوں شاگردوں میں اس روایت کو بیان کرنے میں تھوڑا سا اختلاف ہوا ہے چنانچہ پہلا اختلاف تو حضرت عیسیٰ بن یونس اور ابو عاصم النبیل کے درمیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن یونس جب اس حدیث کو حضرت ثورؒ سے روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''عن ثور عن حصین الحبرانی ''یعنی حضرت حصین کو قبیلہ حبران کی جانب منسوب کرتے ہیں اور ابو عاصمؒ جب روایت کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ''عن ثور عن حصین الحمیری ''یعنی حضرت حصین کو قبیلہ حمیر کی جانب منسوب کرتے ہیں، لیکن صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمدؒ صاحب سہارنپوری فرماتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کا یہ اختلاف صرف لفظی اختلاف ہے اور حضرت حصین کو قبیلہ حبران اور قبیلہ حمیر دونوں کی جانب منسوب کرنا صحیح ہے اس لئے کہ قبیلہ حمیر ایک بڑا قبیلہ ہے جس کی ایک شاخ قبیلہ حبران بھی ہے۔

دوسرا اختلاف حضرت عیسیٰ بن یونس، حضرت ابو عاصم النبیل اور حضرت عبد الملک بن صباح کے درمیان ہوا ہے، اس دوسرے اختلاف کا حاصل یہ کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت ابو عاصمؒ تو اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد حضرت ابو سعیدؒ کو بغیر کسی لقب کے ذکر کرتے ہیں جبکہ عبد الملک ان کے ساتھ الخیر کا لقب ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں عبد الملکؒ کا حضرت ابو سعیدؒ کے ساتھ الخیر کا لقب ذکر کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جو ابو سعید الخیر کے لقب سے متصف ہیں وہ صحابی ہیں اور یہاں جو ابو سعید ہیں وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد اور تابعی ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۶﴾

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ خُزَيْمَةَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ، عَنْ خُزَيْمَةَ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الاسْتِطَابَةِ، فَقَالَ بِثَلٰثِةِ أَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ، قَالَ أَبُوْ دَاوُدَؒ: كَذَا رَوَاهُ أَبُوْ أَسَامَةَ وَ ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) استنجاء بالاحجار کے متعلق کتنے مسائل ہیں ان کو اجمالاً ذکر کر کے تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (ج) حنفیہ کے قول کی وجوہ ترجیح مدلل تحریر کریں (د) قال ابوداودؒ کا مقصد واضح کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت خزیمہؓ بن ثابت ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء کے متعلق معلوم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ استنجاء ایسے تین پتھروں کے ذریعہ کرنا چاہئے کہ جن میں گوبر نہ، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابواسامہؒ اور حضرت ابن نمیرؒ نے بھی حضرت ہشامؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

جواب (ب)

استنجاء بالاحجار کے متعلق کتنے مسائل آتے ہیں:

واضح رہے کہ استنجاء بالاحجار کے متعلق تین قسم کے مسائل آتے ہیں پہلا مسئلہ ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے انقاء حاصل کرنے کا ہے، دوسرا مسئلہ ڈھیلوں میں ایتار اختیار کرنے کا ہے اور تیسرا مسئلہ تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کا ہے، ان تینوں مسائل میں سے اول الذکر

دو مسئلوں کسی کا اختلاف نہیں ہے تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق انقاء بالاحجار اختیار کرنا واجب اور ڈھیلوں میں ایتار اختیار کرنا مستحب ہے البتہ تیسرے مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:۔

تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے میں اُئمہ کے مذاہب اور دلائل:

تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنا واجب ہے یا مسنون اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور داؤد ظاہریؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے تین ڈھیلوں کے عدد کو اختیار کرنا صرف مسنون ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل، اسحاق بن راہویہؒ، کا ہے ان حضرات کے نزدیک ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے تین کے عدد کو اختیار کرنا واجب ہے۔(۱)

مذہب اول کی دلیل:

مذہب اول کے قائلین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور آپ حضرات کے مقلدین نے اپنے مسلک پر حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہؓ کے واسطے سے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے "اذا خرج أحدکم الغائط فلیذھب بثلٰثة أحجار یستنظف بھا، فانھا تستکفیه" جب تم میں سے کوئی قضاء حاجت کیلئے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے تاکہ ان سے پاکی حاصل کر لے یہ تین پتھر (پاکی حاصل کرنے میں) اس کیلئے کافی ہوجائیں گے، یہ روایت صراحتاً احناف اور موالک کے مذکورہ مسلک کی دلیل ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں "فانھا تستکفیه" کا جملہ اس بات

(۱) الکلام المجود ۱۵۵.

پر دلالت کرتا ہے کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے اصل مقصد مقام کا صاف ہونا ہے اور یہ مقصد عمومی طور پر چونکہ تین پتھروں سے حاصل ہوجاتا ہے اس لئے احادیث میں تین کے عدد کی صراحت کردی گئی ہے پس ثابت ہوا کہ تین پتھروں کو استعمال کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے بلکہ صرف مسنون ہے اور حسب ضرورت اس سے کم یا زیادہ پتھر بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

مذہبِ دوم کی دلیل:

مذہب دوم کے قائلین حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل نے اپنے مسلک پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں استنجاء کیلئے تین پتھر لیجانے کی تاکید وارد ہوئی ہے مثال کے طور پر حدیثِ مذکورہ فی السوال یا مذہب اول کی دلیل کے تحت جو حدیث گذری ہے ان سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اور وجہ استدلال یہ ہے کہ ان احادیث میں صراحتاً استنجاء کیلئے تین پتھروں کو لیجانے کی تاکید وارد ہوئی ہے پس تین پتھروں کو لیجانا واجب اور ضروری ہے اس سے کم میں اگر کسی نے پاکی حاصل کی تو جائز نہیں ہے۔

جواب (ج)

احناف کے مسلک کی وجوہِ ترجیح:

واضح رہیکہ مذکورہ مسئلہ میں احناف کا مسلک مختلف ۵ وجوہات کی بناء پر شوافع اور حنابلہ کے مسلک پر راجح ہے، احناف کے مسلک کی وجوہِ ترجیح میں سے ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں جن احادیث سے شوافع اور حنابلہ اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں بعینہ وہی احادیث احناف کی بھی دلیل ہیں اور شوافع وحنابلہ کا ان احادیث سے اپنے مسلک پر استدلال کرنا غیر تام اور احناف کا تام ہے، بایں طور کہ شوافع اور حنابلہ نے ان احادیث میں وارد ہونے والے صیغۂ امر کو برائے وجوب مانا ہے حالانکہ ان تمام احادیث میں امر کا صیغہ برائے وجوب استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ برائے استحباب استعمال ہوا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں خود حضور علیہ السلام سے تین ڈھیلوں سے کم میں استنجاء کرنا ثابت ہے پس اگر تین ڈھیلوں ہی کا استعمال کرنا لازم ہوتا تو حضور علیہ السلام ہرگز تین سے کم میں استنجاء نہ فرماتے، پس معلوم ہوا کہ

استنجاء میں تین ڈھیلوں کا استعمال کرنا ضروری نہیں ہے، رہا یہ سوال کہ پھر احادیث میں تین پتھر لیجانے کی تاکید کیوں وارد ہوئی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے عمومی طور پر چونکہ تین پتھروں میں پاکی حاصل ہوتی ہے اس لئے احادیث میں بھی تین پتھر ساتھ لیجانے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔

جواب (د)

قال ابوداؤدؒ کا مقصد:

قال ابوداؤدؒ سے صاحبِ کتاب کا مقصد اس حدیث کی سند میں وارد ہونے والے اختلاف کو بیان کرنا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اس حدیث کو جس طرح ابو معاویہؒ نے حضرت ہشام بن عروۃ سے نقل کیا اسی طرح ابواسامہؒ اور ابن نمیرؒ نے بھی نقل کیا ہے اور یہ سب حضرات اس حدیث میں حضرت ہشام بن عروۃؒ کا استاذ حضرت عمرو بن خزیمہؒ کو قرار دیتے ہیں اس کے برخلاف حضرت سفیان بن عیینہؒ اس حدیث کو جب حضرت ہشام بن عروۃؒ سے روایت کرتے ہیں تو حضرت ہشامؒ کا استاذ ابوجزہؒ کو بتاتے ہیں لیکن واضح رہیکہ یہ حضرت سفیانؒ کا وہم ہے اور صحیح یہی ہے کہ حضرت ہشامؒ کے استاذ حضرت عمرو بن خزیمہؒ ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۱۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۷﴾

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ یَرْفَعُهُ قَالَ لَوْلاأَنْ أَشُقَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) حضور علیہ السلام عشاء کی نماز میں تاخیر کا حکم بطور وجوب کے دینا چاہتے تھے یا بطور سنت واستحباب کے اور اب کیا حکم ہے؟ تحریر کریں (د) عشاء کی نماز میں کہاں تک تاخیر کرنے کا ارادہ تھا اور مشقت کی وجہ سے کیا حکم دیا گیا اس کو بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرۃ سے مرفوعاً روایت ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے) کہ اگر مؤمنین پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں عشاء کی نماز میں تاخیر کرنے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

حدیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے حضور علیہ السلام کی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ آپؐ امت کو اس بات کا حکم دے دیں کہ وہ عشاء کی نماز تاخر سے ادا کیا کریں اور ہر نماز کے وقت مسوٰک بھی کرلیا کریں، لیکن امت کے اوپر یہ حکم لازم کرنے میں چونکہ مشقت کا خوف اور اندیشہ تھا اس لئے آپ علیہ السلام نے یہ حکم نہیں دیا۔

جواب (ج)

حضور عشاء کی نماز مؤخر کرنے کا حکم کس طور پر دینا چاہتے تھے؟:

واضح رہیکہ حضور علیہ السلام عشاء نماز کو مؤخر کرنے حکم بطور وجوب کے دینا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس میں مسلمانوں پر مشقت کا اندیشہ تھا اس لئے آپ علیہ السلام نے بطور وجوب کے اہل ایمان کو اس کا حکم نہیں دیا، لیکن چونکہ حضور علیہ السلام کی یہ خواہش تھی اس لئے احناف کے نزدیک عشاء کی نماز کو مؤخر کرکے ادا کرنا مستحب ہے۔

جواب (د)

عشاء کی نماز میں کہاں تک تاخیر کرنے کا ارادہ تھا:

واضح رہے کہ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضور علیہ السلام عشاء کی نماز کو مؤخر کرتے تو رات کے کس حصہ تک مؤخر کرتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا ارادہ ثلث لیل تک عشاء کی نماز مؤخر کرنے کا تھا اور اس کی دلیل ترمذی شریف میں مذکور حضرت زید بن خالد جہنیؓ کی روایت ہے حضرت زیدؓ ارشاد فرماتے ہیں "سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو لا ان اشق

علی امتی لا مرتھم بالسواک عند کل صلاۃ ولاخرت صلوۃ العشاء الی ثلث اللیل "(۱) اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو ثلث رات تک مؤخر کرتا۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارادہ عشاء کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنے کا تھا، لیکن اس عمل میں چونکہ امت کیلئے دشواری تھی اس لئے آپ نے یہ حکم ارشاد نہیں فرمایا بلکہ عمومی طور پر یہی حکم باقی رہا کہ عشاء کی نماز کو اول وقت ادا کر لیا جائے، البتہ احناف کے نزدیک آج بھی اس کو تاخیر ہی سے ادا کرنا مستحب ہے۔(۲)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۷﴾

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰهِ علیه وسلمَ یَقُوْلُ: لَوْ لاأَنْ أَشُقَّ عَلیٰ اُمَّتِیْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلاةٍ، قَالَ أَبُوْسَلْمَةَ: فَرَأَیْتُ زَیْداً یَجْلِسُ فِی الْمَسْجِدِ وَأَنَّ السِّوَاکَ مِنْ اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْکَاتِبِ. فَکُلَّمَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ اِسْتَاکَ.

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) السواک عند الصلوٰۃ میں فقہاء کا کیا اختلاف ہے مع دلائل تحریر کریں (د) یہ حدیث فقہاء میں سے کس کس کی دلیل ہے یہ لکھ کر فریق ثانی کی جانب سے مدلل جواب تحریر کریں (ھ) نیز کوئی ایسی حدیث جس میں "السواک عند کل الصلوٰۃ" کا مفہوم واضح ہو تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو

(۱) ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ۱/ ۱۲ (۲) الکلام المجرد ۱۳۵.

ہر نماز کے واسطے مسواک کرنے کا حکم دیتا، حضرت ابو سلمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زیدؓ بن خالد کو دیکھا ہے کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہیں اور مسواک ان کے کان پر اس جگہ رکھی ہوئی ہے جہاں کاتب قلم رکھتا ہے، جب بھی وہ (یعنی حضرت خالدؓ) نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو مسواک کرتے تھے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

حدیثِ مذکورہ کا مطلب الفاظِ حدیث سے بالکل واضح ہے صحابی رسول حضرت زید ابن خالد رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اگر مجھے اپنی امت کے دقت اور دشواری میں مبتلا ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے واسطے مسواک کرنے کا حکم دیتا، مگر چونکہ اس حکم سے مسلمانوں کے مشقت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے حضور علیہ السلام نے لازمی طور پر امت کو ہر نماز کیلئے مسواک کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ حضرت ابو سلمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زیدؓ بن خالد کو دیکھا ہے کہ وہ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے اور مسواک ان کے کان پر اس جگہ رکھی ہوئی ہوتی تھی جہاں کاتب اپنے کان پر قلم رکھتا ہے، اور جب بھی نماز کا وقت ہوتا اور حضرت خالدؓ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو مسواک کرتے تھے۔

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟:

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی اس میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور آپ دونوں کے متبعین کا ہے ان حضرات کے نزدیک مسواک کرنا وضو کی سنت ہے، لہٰذا نماز کیلئے وضو کرتے وقت اس کو کرنا مسنون ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور آپ دونوں کے مقلدین کا ہے، ان

حضرات کے نزدیک مسواک کرنا اگرچہ وضو اور نماز دونوں کی سنت ہے البتہ عین اقامتِ صلوٰۃ کے وقت اس کو کرنا زیادہ مسنون ہے۔

مذہب اول کی دلیل:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن میں وضو کے وقت مسواک کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے یہ روایات عام طور پر سننِ نسائی، مسندِ امام احمدؒ بن حنبل، مستدرکِ حاکمؒ، صحیح ابن خزیمہؒ، صحیح ابن حبانؒ اور معجمِ طبرانی وغیرہ میں مذکور ہیں، تفصیل سے قطعِ نظر صرف ایک روایت اور اس کے چند شواہد آپ کی خدمت میں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔

مستدرکِ حاکمؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''لَوْ لاَ أَنْ أَشُقَّ عَلیٰ أُمَّتِیْ لَفَرَضْتُ عَلَیْهِم السِّواکَ مَعَ الوُضُوءِ '' اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں وضو کے وقت ان پر مسواک کرنا فرض کر دیتا۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے بالکل صحیح اور حضرت امام بخاریؒ وامام مسلمؒ کی شرط کے مطابق ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اپنی کتاب تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں ''هو علیٰ شرطهما لیس له علة'' مستدرک کی یہ روایت شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے۔ نیز یہی روایت صحیح ابن حبانؒ میں حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے ''لَوْلاَأَنْ أَشُقَّ عَلیٰ أُمَّتِیْ لأَمَرْتُهُمْ بالسِّواکِ مَعَ الوُضُوءِ عِنْدَ کُلِّ صَلاَةٍ '' گر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان پر ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کرنا فرض کر دیتا۔ یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے چنانچہ حضرت علامہ نیمویؒ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''اسناده صحیح '' اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ نیز یہی رویت امام طبرانیؒ کی معجم الاوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور سند کے اعتبار سے حسن ہے۔

وجہ استدلال:

واضح رہے کہ مذہب اول کے قائلین یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور ان

دونوں کے متبعین نے اس روایت سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ مسواک کرنا ازقبیل طہارت ونظافت ہے اور وضو بھی باب طہارت میں سے ہے اور ان روایات میں بھی وضو ہی کے ساتھ مسواک کرنے کو بیان کیا گیا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ مسواک کو وضو ہی کی سنت قرار دیا جائے۔

مذہبِ دوم کی دلیل:

حضرت امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے برخلاف مذہبِ دوم کے قائلین حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے مسلک پر سنن ابی داوٗد کی مذکورہ فی السوال حدیث اور حدیث ابی ہریرۃؓ سے استدلال کیا ہے، ابو داوٗد میں حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "لو لا ان أشق علیٰ المؤمنین لأ مرتھم بتاخیر العشاء وبالسواک عند کل صلوٰۃ "اگر مؤمنین پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں عشاء کی نماز کو مؤخر کرنے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

وجہ استدلال:

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل نے اپنے مسلک پر اس روایت سے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام مؤمنین کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دینا چاہتے تھے لیکن امت کے دشواری میں مبتلا ہونے کے خوف کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ایجاب یہ حکم صادر نہیں کیا پس ثابت ہوا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا واجب تو نہیں ہے البتہ اس حدیث کی رو سے آپ علیہ السلام کی خواہش کے پیش نظر مسنون ضرور ہے۔

جواب (د)

حدیثِ مذکورہ فی السوال کس کی دلیل ہے:

حدیثِ مذکورہ فی السوال فقہاء میں سے حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کی دلیل ہے (کما مر آنفاً) اور فریقِ ثانی (یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ) کی جانب سے

اس حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اصل تو وہی روایات ہیں جن میں وضو کے وقت مسواک کرنے کی بات وارد ہوئی ہے رہی یہ حدیث تو اسمیں مضاف محذوف ہے اور اس کی بھی اصل عبارت ''عند وضوء کل صلاۃ'' ہے، پس مذہب دوم کے قائلین حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اس روایت کے ظاہر سے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کے مسنون ہونے پر استدلال کرنا احوط نہیں ہے۔

جواب (ھ)

وہ حدیث جس سے عند کل صلاۃ کا مفہوم واضح ہوتا ہے:

واضح رہے کہ وہ احادیث جن سے حدیث مذکورہ فی السوال میں وارد لفظ ''عند کل صلاۃ'' کا مفہوم واضح ہوتا ہے بہت سی ہیں جن میں سے صرف ایک روایت یہاں ذکر کی جاتی ہے صحیح ابن حبانؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''لَوْ لاَ أَنْ أَشُقَّ عَلیٰ أُمَّتِیْ لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوْءِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ'' اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان پر ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کرنا فرض کر دیتا۔ اس روایت سے حدیث مذکورہ میں وارد لفظ ''عند کل صلاۃ'' کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ جن روایات میں بھی نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم وارد ہوا ہے اس سے عین اقامت صلاۃ کے وقت مسواک کرنا مراد نہیں ہے بلکہ وضو کے وقت مسواک کرنا مراد ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۳﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۹﴾

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیه وسلمَ: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا اَلتَّكْبِيْرُ، وَتَحْلِيْلُهَا اَلتَّسْلِيْمُ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث میں مذکور تینوں جملے

کس قاعدہ سے مفید حصر ہیں؟ تحریر کریں (ج) ہر ہر جملہ کی تشریح کرتے ہوئے پہلے جملہ کی روشنی میں فاقد الطہورین کے مسئلہ کو مع اختلاف ائمہ تحریر کریں، دوسرے جملہ کے تحت تحریمہ کیلئے لفظ اللہ اکبر کے ضروری ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کے مذاہب بیان کریں، تیسرے جملہ کے تحت نماز سے خروج کیلئے السلام علیکم کے ضروری ہونے اور نہ ہونے کے باب میں ائمہ کے مذاہب تحریر کریں۔ (تینوں جملوں میں سے کم از کم دو جملوں کی تفصیل لکھنا ضروری ہے)

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز کی کنجی پاکی ہے، اور نماز کی تحریمہ تکبیر ہے، اور نماز کی تحلیل تسلیم ہے۔

جواب (ب)

حدیث مذکورہ میں تینوں جملے کس قاعدہ سے مفید حصر ہیں؟:

واضح رہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال کے تینوں جملے مفید حصر ہیں، رہا یہ سوال کہ یہ کس قاعدہ کی بنیاد پر مفید حصر ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملے ایک تو اس لئے مفید حصر ہیں کہ ان میں خبر، مبتدا پر مقدم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب خبر مبتدا پر مقدم ہوتی ہے تو جملہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور دوسرے اس لئے مفید حصر ہیں کہ ان تینوں جملوں میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہوں تو جملہ مفید حصر ہو جاتا ہے اور اس جملے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، پس انہیں دونوں قاعدوں کی بنیاد پر یہ تینوں یہاں جملے مفید حصر ہیں۔

جواب (ج)

پہلے جملے کی تشریح اور فاقد الطہورین کے متعلق ائمہ کے مذاہب:

واضح رہے کہ اس حدیث کے پہلے جملے میں حضور علیہ السلام نے پاکی کو نماز کی کنجی ارشاد فرمایا ہے اس کا صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ بغیر طہارت و پاکی کے نماز نہیں ہوتی، نماز پڑھنے

سے پہلے نمازی پر پانی سے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے پاکی حاصل کرنا ضروری ہے۔

لیکن اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کو نماز کے وقت میں پانی یا مٹی میں سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کا کیا حکم ہے آیا وہ نماز ادا کرے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ احناف میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں مبتلا ہونے والا شخص فی الوقت نماز ادا نہیں کرے گا بلکہ بعد میں اس کی قضاء کریگا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں یہ شخص تشبہ بالمصلین اختیار کریگا یعنی نماز کی ہیئت بنائے گا اور قراءت نہیں کرے گا اور بعد میں اس نماز کی قضاء کریگا۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظمؒ اپنے اس مسلک پر یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ نماز کیلئے وضو یا تیمّم کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا شرط ہے اور یہ شخص پانی اور مٹی کے نہ ہونے کی وجہ سے وضو یا تیمّم پر قادر نہیں ہے اس لئے اس پر فی الفور نماز ادا کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص سے نماز ساقط ہے، پس اس پر نہ تو فی الفور نماز ادا کرنا ضروری ہے اور نہ بعد میں اس کی قضاء کرنا ہی لازم ہے، اور حضرت امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس شخص پر فی الفور بھی نماز ادا کرنا ضروری ہے اور بعد میں اس نماز کی قضاء کرنا بھی لازم ہے، اب رہے حضرت امام شافعیؒ تو آپ کے اس مسئلہ میں چار قول ہیں لیکن مشہور قول یہ ہے کہ یہ شخص امتثالاً للامر اس وقت بھی نماز ادا کرلے اور بعد میں طہارت کے ساتھ اس نماز کی قضاء بھی کرلے۔(۱)

کیا تکبیر تحریمہ کے لئے لفظ اللہ اکبر ہی کا کہنا ضروری ہے؟:

واضح رہے کہ تمام ائمہ کے نزدیک لفظ اللہ اکبر کے ذریعہ تکبیر تحریمہ کہنا سنت مؤکدہ ہے لیکن صرف اسی کے ذریعہ تحریمہ کہنا لازم نہیں ہے، بلکہ ہر اس لفظ سے جو اللہ کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرے تکبیر تحریمہ کہنا جائز ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک لفظ ''اللّٰہ اکبر'' کے علاوہ ''اللّٰـہ الاکبر، اللّٰـہ کبیر، اللّٰہ الکبیر، اللّٰہ أجل'' اور ''اللّٰـہ اعظم'' کے ذریعہ بھی تکبیر تحریمہ کہنا جائز ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

(۱) السمح المحمود ۱/۱۹۸، درس ترمذی ۱/۱۵۶.

"اللہ اکبر" کے علاوہ صرف "اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر" اور "اللہ الکبیر" کے ذریعہ تکبیر تحریمہ کہنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور الفاظ سے جائز نہیں ہے۔

لیکن چونکہ سنت مؤکدہ اللہ اکبر کے ذریعہ ہے اس لئے احناف کے نزدیک ان الفاظ کے ذریعہ تحریمہ کہنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ کے کے نزدیک "اللہ اکبر" کے علاوہ کسی اور لفظ سے تکبیر تحریمہ کہنا جائز نہیں ہے، اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ اکبر" اور "اللہ الاکبر" کے ذریعہ بھی تکبیر تحریمہ کہہ سکتے ہیں۔(۱)

کیا نماز پوری کرنے کے لئے لفظ السلام علیکم کہنا ضروری ہے؟:

واضح رہے کہ جس طرح نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے الفاظ میں ائمہ کا اختلاف ہے اسی طرح نماز کو ختم کرنے کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز مکمل کرنے کیلئے لفظ "السلام علیکم" کہنا لازم اور ضروری نہیں ہے بلکہ نماز کسی بھی ایسے عمل کے ذریعہ جو قاطع الصلوٰۃ ہو ختم کی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ صیغۂ سلام کے ذریعہ نماز کو مکمل کرنا مسنون ہے اس لئے کسی اور عمل کے ذیعہ پوری کی جانے والی نماز احناف کے نزدیک واجب الاعادہ ہے، احناف کے برخلاف حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ بن حنبل اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز مکمل کرنے کے لئے لفظ "السلام علیکم" کہنا لازم ہے، اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے نماز پوری کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۹﴾

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلىٰ اللّٰهُ عليه وسلمَ عَنِ الْمَاءِ وَمَايَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ. فَقَالَ

(۱) السمح المحمود ۱/۲۰۳، تیسیر الوقایہ قلمی ۱/۶۹. (۲) السمح المحمود ۱/۲۰۵.

:اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخَبَثَ. (وَ)قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہِ علیہ وسلمَ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَہِیَ بِئْرٌ یُطْرَحُ فِیْھَا الْحِیَضُ وَلَحْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتِنِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلمَ اَلْمَاءُ طُہُوْرٌ لَایُنَجِّسُہُ شَیْئٌ. (وَ)عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہِ علیہ وسلم:لَایَبُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَایَغْتَسِلُ فِیْہِ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

(الف) تینوں احادیث با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) نیز کتنا پانی متحمل نجاست ہوتا ہے؟اس سلسلے میں ائمہ کے مسالک مع دلائل تحریر کریں (ج) اگر مذکورہ بالا روایات میں کوئی روایت حنفیہ کے خلاف ہوتو اس کا بھی معقول جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے پانی کے متعلق معلوم کیا گیا جس پر چوپائے (جانور) اور درندے آتے جاتے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی دوقلوں کے بقدر ہوتو وہ ناپاکی کونہیں اُٹھاتا ہے۔اور حضور علیہ السلام سے صحابہؓ نے معلوم کیا کہ کیا ہم بیر بضاعہ سے وضو کرلیں حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالیں جاتی ہیں تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے،اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشادفرمایا ہے کہ کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اوراس میں جنابت کا غسل نہ کرے۔

جواب (ب)

کتنا پانی نجاست کا تحمل کرسکتا ہے اس میں ائمہ کے مذاہب کی تفصیل:

نجاست گرنے کے بعد کتنا پانی پاک رہتا ہے اور کتنا ناپاک ہوجاتا ہے اس کی تعیین میں

أئمہ کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے مختلف مذاہب ہیں...

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے آپ کے نزدیک پانی کی دو قسمیں ہیں (۱) ماء کثیر (۲) ماء قلیل، ماء کثیر وہ پانی ہے جس میں نجاست گر کے سرایت نہیں کرتی ہے اور نہ پانی کے اوصافِ ثلاثہ یعنی رنگ، مزہ اور بو میں سے کوئی وصف تبدیل ہوتا ہے، پس یہ پانی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک متحمل نجاست ہے اور نجاست گرنے کے بعد جب تک اس پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف تبدیل نہ ہو یہ پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے، اور ماء قلیل وہ پانی ہے جس میں نجاست گر کے سرایت کر جاتی ہے یہ پانی امام صاحبؒ کے نزدیک متحمل نجاست نہیں ہے، بلکہ نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے اب کتنے پانی میں نجاست گر کر سرایت کر جاتی ہے اور کتنے میں نہیں کرتی اس کے متعلق احناف کے تین اقوال ہیں..

(۱) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مبتلیٰ بہ کی رائے پر موقوف ہے جس پانی کو وہ یہ سمجھے کہ اس میں نجاست گر کر سرایت کر سکتی ہے وہ پانی متحمل نجاست نہیں ہے بلکہ ماء قلیل ہے اور جس کو وہ ایسا نہ سمجھے وہ متحمل نجاست ہے یعنی ماء کثیر ہے۔

(۲) حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانی میں نجاست کے سرایت کرنے کا مدار پانی کی حوض پر ہے اگر حوض کبیر ہے تو اس میں موجود پانی متحمل نجاست (یعنی ماء کثیر) ہے اور اگر حوض صغیر ہے تو اس کا پانی متحمل نجاست نہیں ہے بلکہ ماء قلیل ہے۔

(۳) حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کا مدار پانی کے دہ در دہ ہونے پر ہے، اگر پانی دہ در دہ ہے تو متحمل نجاست یعنی ماء کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہے تو وہ متحمل نجاست نہیں بلکہ ماء قلیل ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے آپ کے نزدیک پانی کے متحمل نجاست ہونے کے اعتبار سے کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ ہر وہ پانی جو نجاست گرنے سے کسی بھی اعتبار سے متغیر ہو جائے آپ کے نزدیک ماء قلیل اور ناپاک ہے اور جو پانی نجاست گرنے سے متغیر نہ ہوئے

وہ ماء کثیر اور پاک ہے، واضح رہے کہ حضرت امام مالکؒ کا یہ مذہب احناف کے مذہب کے قریب قریب ہے۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور اسحاق بن راہویہؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک پانی کے نجاست کا تحمل کرنے یا نہ کرنے میں دو قلوں کی مقدار متعین ہے، پس جو پانی دو قلے ہو وہ ان کے نزدیک ماء کثیر ہے نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے اور جو اس سے کم ہو وہ ماء قلیل ہے نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک پر سنن نسائی کی روایت سے استدلال کیا ہے، نسائی شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے ''لا یبو لنَّ احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضأ منه '' تم میں سے کوئی شخص ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے اس سے وضو نہ کرے، احناف اس حدیث سے بایں طور استدلال کرتے ہیں اللہ کے نبیؐ نے ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے اس سے وضو کرنے سے منع کیا ہے اور ٹھیرا ہوا پانی عموماً قلیل ہی ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تھوڑا پانی متحمل نجاست نہیں ہوتا ہے بلکہ نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف کثیر پانی متحمل نجاست ہوتا ہے وہ نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس وقت ناپاک ہوتا ہے جب اس کے اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے، اور اس کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد '' ان الماء طهور لا ینجسه شئی الا ماغلب علیٰ ریحه وطعمه ولونه '' ہے، حضورؐ فرماتے ہیں کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کے رنگ، مزہ یا بو پر غالب نہ آجائے، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر نجاست گرنے سے مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا ہے بلکہ احد الاوصاف بدلنے کی صورت میں ناپاک ہوتا ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام مالکؒ نے اپنے مسلک پر ترمذی شریف کی روایت سے استدلال کیا ہے ترمذی میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ ارشاد مذکور ہے ''ان الماء طھور لاینجسہ شئی الاماغلب علیٰ ریحہ وطعمہ ولونہ'' پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کے رنگ، مزہ یا بو پر غالب نہ آجائے، اس روایت سے امام مالکؒ نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس روایت میں پانی کو مطلقاً پاک قرار دیا ہے الا یہ کہ اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے، پس معلوم ہوا کہ پانی اپنی اصل کے اعتبار سے پاک ہے لیکن کسی چیز کے گرنے سے اس کا کوئی وصف متغیر و تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر وہ پانی خواہ کثیر ہو یا قلیل بہرصورت ناپاک ہو جاتا ہے۔

مذہب سوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، یہ حدیث محدثین وفقہاء کی اصطلاح میں حدیثِ قلتین کہلاتی ہے، اس حدیث میں حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں ''اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمَلِ الْخَبث'' پانی جب دو قلے کے بقدر ہو تو وہ نجاست کو نہیں اُٹھاتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا ہے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس روایت میں دو قلے پانی کو متحمل نجاست یعنی ماء کثیر قرار دیا ہے پس معلوم ہوا کہ دو قلے پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔

جواب (ھ)

مذکورہ بالا روایات میں سے احناف کی مخالف روایت کا جواب:

واضح رہے کہ مذکورہ بالا احادیث میں سے حدیث ابن عمرؓ احناف کے مخالف ہے، احناف نے اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں ان جوابات میں سے پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سند، متن اور مصداق تینوں کے اعتبار سے مضطرب ہے پس

غیر مضطرب روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال کرنا تام نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ "لم یحمل الخبث" کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ پانی نجاست کو نہیں اُٹھاتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر پانی دو قلے کے برابر ہو اور اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ متحمل نجاست نہیں ہوتا ہے بلکہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ واللہ اُعلم وعلمہ اُتم۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۵﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۱۰﴾

حَدَّثَنَا زَائِدَةِ فِي حَدِيْثِ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللّٰهُ علیه وسلمَ قَالَ: طُهُوْرُ اِنَاءِ أَحَدِکُمْ اِذَا وَلَغَ فِیْهِ الْکَلْبُ أَنْ یُغْسَلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولٰهُنَّ بِالتُّرَابِ۔

قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: وَکَذَالِکَ قَالَ أَیُّوْبُ وَحَبِیْبُ ابْنُ الشَّهِیْدِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِرِیْنَ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) بعدہ مطلب بیان کریں (ج) سور الکلب کی پاکی کے سلسلے میں اُئمہ کا جو اختلاف ہے اس کو مدلل تحریر کریں (د) حدیث مذکورہ اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کا مفصل جواب دیں (ھ) قال ابوداوٗد کا مطلب بیان کرتے ہوئے "کــــــذالک" سے جس چیز میں تشبیہ دی گئی ہے اس کی وضاحت کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس (برتن) کو (پاک کرنے کیلئے) سات مرتبہ دھویا جائے (اور) پہلی مرتبہ مٹی سے دھویا جائے۔

جواب(ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو وہ برتن ناپاک ہو جاتا ہے اب بغیر پاک کئے اس برتن کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، اور پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے اور سات مرتبہ میں سے پہلی مرتبہ مٹی سے دھویا جائے اور بقیہ چھ مرتبہ صرف پانی سے دھو کر اسے پاک کر لیا جائے۔

جواب(ج)

سور الکلب کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک اس کے متعلق فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے درجِ ذیل دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان تینوں ائمہ کے نزدیک کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے، آپؒ کے نزدیک (مشہور قول میں) کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عبدالملک ابن ماجشونؒ نے کتے کے جھوٹے کی پاکی اور ناپاکی کے متعلق حضرت امام مالکؒ کی جانب چار قسم کے اقوال کی نسبت کی ہے (۱) کتے کا جھوٹا مطلقاً ناپاک ہے (۲) شکاری کتے کا جھوٹا پاک اور غیر شکاری کا ناپاک ہے (۳) دیہاتی کتے کا جھوٹا پاک اور شہری کتے کا جھوٹا ناپاک ہے (۴) ہر قسم کے کتے کا جھوٹا علی الاطلاق پاک ہے، یہ حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول ہے اور اسی کو بطور مذہب اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائل حضرات أئمہ ثلاثہ نے اپنے مسلک پر سنن ابی داؤدؒ کی حدیث مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے، اس روایت میں حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں ''طُهُوْرُ اِنَاءِ أَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يُغْسَلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ أولٰهُنَّ بِالتُّرَاب '' جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھویا جائے (اور) پہلی مرتبہ مٹی سے دھویا جائے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے برتن میں کتے کے منھ ڈال دینے کے بعد اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اگر یہ ناپاک نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتن کو دھونے اور پاک کرنے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائل حضرت امام مالکؒ نے اپنے مسلک پر سنن ابن ماجہؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے، ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے ''أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الحياض التى بين مكة والمدنية تر دها السباع والكلاب والحمر وعن الطهارة منها فقال لها حملت فى بطونها ولنا ماغبر طهور '' حضور علیہ السلام سے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان موجود ان حوضوں کے متعلق معلوم کیا گیا جن پر (پانی پینے کیلئے) درندے، کتے اور گدھے (وغیرہ) آتے ہیں اور ان حوضوں کے پانی سے پاکی حاصل کرنے کے متعلق معلوم کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو ان جانوروں نے اپنے پیٹ میں اُٹھالیا وہ ان کا ہے اور جو باقی ہے وہ ہمارے لئے پاک ہے، اس روایت سے امام مالکؒ نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان حوضوں کے پانی کو پاک قرار دیا ہے جس کو درندے، کتے اور گدھے آکر پیتے ہیں پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ اگر یہ ناپاک ہوتا تو حضور علیہ السلام ہرگز اس پانی کو پاک قرار نہیں دیتے۔

جواب(د)

احناف کی جانب سے حدیث مذکورہ کا جواب:

واضح رہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال احناف کے خلاف ہے اس لئے کہ احناف کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو صرف تین مرتبہ دھونے کے قائل ہیں جبکہ یہ حدیث اسے سات مرتبہ دھونے کا حکم کرتی ہے، لیکن احناف اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جناب! اس روایت میں کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا جو حکم مذکور ہے یہ لازمی اور واجبی نہیں ہے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں بلکہ یہ حکم صرف استحبابی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اس روایت کے روای حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین مرتبہ دھونے کا ہے جیسا کہ سنن دار قطنیؒ میں مذکور ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین مرتبہ دھو لینا کافی ہے، البتہ سات مرتبہ دھونا اس روایت کی رو سے مستحب ہے۔

جواب(ھ)

قال ابوداؤدؒ کا مطلب اور''کذالک'' سے کس چیز میں تشبیہ ہے اس کی وضاحت:

واضح رہے کہ قال ابوداؤدؒ کہہ کر صاحبِ کتاب نے راویٔ حدیث محمدؒ بن سیرین کے تلامذہ کی تعداد کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ محمدؒ بن سیرین کے تلامذہ مختلف ہیں، ایک کا نام ہشامؒ ہے جن سے مذکورہ فی السوال روایت مروی ہے، جبکہ ایک کا نام ایوبؒ اور ایک کا حبیبؒ بن الشہید ہے اور یہ تینوں حضرات اس روایت کو محمدؒ بن سیرین سے روایت کرتے ہیں، لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تینوں حضرات اس روایت کو اپنے استاذ محمدؒ بن سیرین سے روایت کرتے ہیں تو پھر امام ابوداؤدؒ نے ''کذالک'' فرما کر کس چیز میں تشبیہ دی ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے ''کذالک'' فرما کر محمد بن سیرین کے تلامذہ کو اس حدیث کے الفاظ بیان کرنے میں تشبیہ دی ہے جس کی تفصیل ہے کہ اس حدیث کے متعلق روات کے مابین دو طرح کے اختلاف ہیں ایک اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے کا ہے اور دوسرا اس کے

الفاظ کا ہے، چنانچہ بعض روات اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے ''اولھن بالتراب'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور بعض ''السابعة بالتراب'' ارشاد فرماتے ہیں سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے امام ابوداؤدؒ نے کذالک کہکر اسی دوسرے اختلاف میں محمدؒ بن سیرین کے شاگردوں کو تشبیہ دی ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح ابنِ سیرینؒ کے شاگرد ہشامؒ اس حدیث کو ''اولھن بالتراب'' کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اسی طرح ان کے دوسرے شاگرد ایوبؒ اور حبیبؒ بھی اس کو روایت کرتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۶ا﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۰﴾

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِيْن حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِي صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ قَالَ: اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الاِنَاءِ فَاغْسِلُوْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَلسَّابِعَةُ بِالتُّرَابِ. قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: وَأَمَّا أَبُوْ صَالِحٍ، وأَبُوْ رَزِيْنٍ، وَالأَعْرَجُ، وَثَابِتُ الأَحْنَفُ، وَهَمَّامُ بْنُ مُنَبِّهٍ، وَأَبُو السُّدِّيِّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ رَوَوْهُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا التُّرَابَ۔

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے مع اختلاف ائمہ مدلل تحریر کریں (د) امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے اس حدیث کا جواب تحریر کریں (ھ) قال ابوداؤدؒ (الیٰ اخرہ) کا مطلب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جب کتا کسی برتن میں منھ ڈال دے تو اس (برتن) کو (پاک کرنے کیلئے) سات مرتبہ دھوؤ (اور) ساتویں مرتبہ

مٹی سے دھوؤ حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوصالحؒ، ابو رزینؒ، اعرجؒ، ثابت الاحنفؒ، ہمامؒ بن منبہ، اور ابوالسدی عبدالرحمٰنؒ نے (اس روایت کو) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے لیکن انھوں نے "التراب" کالفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے جب کتا کسی برتن میں منھ ڈال دے تو وہ برتن ناپاک ہوجاتا ہے اب بغیر پاک کئے اس برتن کو استعمال کرنا درست نہیں ہے اور پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے اور سات مرتبہ میں پہلی مرتبہ مٹی سے دھویا جائے اور بقیہ چھ مرتبہ صرف پانی سے دھوکر اسے پاک کرلیا جائے۔

جواب (ج)

کتے کا چاٹا ہوا برتن کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے:

کتے کا چاٹا ہوا برتن کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے اس سلسلے میں بھی فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فرمانا تو یہ ہے کہ کتے کا چاٹا ہوا برتن تین مرتبہ دھولینا کافی ہے تین ہی مرتبہ سے یہ پاک ہوجاتا ہے۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول پر دارقطنی کی روایت سے استدلال کیا ہے دارقطنی میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اثر مذکور ہے "**اذا ولغ الکلب فی الاناء فأھرقه ثم اغسله ثلاث مرات**" جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن کے اندر کی چیز کو پھینک دو اور برتن کو تین مرتبہ دھولو۔

اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا کہنا یہ ہے کہ کتا جب کسی برتن میں منھ ڈال جائے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھونا ضروری ہے، یہ حضرات اپنے اس قول پر حدیث مذکورہ فی السوال سے استدلال کرتے ہیں اس روایت میں کتے

چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے پس اسی پر عمل کرتے ہوئے یہ حضرات اس کو سات مرتبہ دھونے اور ساتھ ہی ایک مرتبہ مٹی سے دھونے کے قائل ہوئے ہیں۔(۱)

جواب (د)

احناف کی جانب سے حدیث مذکورہ کا جواب:

واضح رہے کہ حدیث مذکورہ احناف کے خلاف ہے اس لئے کہ احناف کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو صرف تین مرتبہ دھونے کے قائل ہیں جبکہ یہ حدیث اسے سات مرتبہ دھونے کا حکم کرتی ہے، لیکن احناف اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں جناب اس روایت میں کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا جو حکم مذکور ہے یہ لازمی اور واجبی نہیں ہے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں، بلکہ یہ حکم صرف استحبابی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود اس روایت کے روای حضرت ابو ہریرۃؓ کا فتویٰ کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین مرتبہ دھونے کا ہے جیسا کہ سنن دار قطنیؒ میں مذکور ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتے کے چاٹے ہوئے برتن میں بھی اصل یہی ہے کہ وہ تین مرتبہ دھو لینے سے پاک ہو جاتا ہے البتہ اس کو سات مرتبہ دھونا اس روایت کی رو سے مستحب ہے۔

جواب (ھ)

قال ابوداؤدؒ کا مطلب:

قال ابوداؤدؒ سے صاحبِ کتاب نے یہ بیان کیا ہے اس روایت کو حضرت ابو ہریرۃؓ سے حضرت امام محمدؒ بن سیرین نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے علاوہ حضرت ابو صالحؒ، ابو رزینؒ، عبد الرحمٰنؒ بن ہرمز الاعرج، ثابتؒ الاحنف، ہمامؒ بن منبہ، اور ابو السدیؒ عبد الرحمٰن نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ابن سیرینؒ اور ان حضرات کی روایت کے درمیان فرق یہ ہے کہ ابن سیرینؒ تو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے آخر میں "السابعة بالتراب" الفاظ ذکر کرتے ہیں جبکہ یہ حضرات ان الفاظ کو ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف "سبع مرات" تک حدیث کو بیان کرتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

(۱) الدر المنضود ۱/۲۰۱۔

﴿سوال ۱۷﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۱﴾

عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ، أَنَّ قَتَادَةَ دَخَلَ فَسَكَبْتُ لَهُ وَضُوْءً فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَأَصْغىٰ لَهَا الْإِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ، قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ أَخِيْ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عليكم وَالطَّوَّافَاتِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) سورہرۃ کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں، اور احناف کی جانب سے فریق مخالف کے دلائل کا جواب بھی تحریر کریں (د) حضرت ابوقتادہؓ نے اپنے بیٹے کی بیوی کو "یابنة أخی" کیوں کہا اس کی توجیہ کریں (ھ) سورہرۃ کے متعلق مسلک احناف کی وجوہِ ترجیح تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت کبشہؓ بنتِ کعب (جو حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ کی اہلیہ محترمہ ہیں) سے مروی ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ (ایک مرتبہ) ان کے پاس تشریف لائے، میں نے ان کو وضو کراتے ہوئے وضو کا پانی ڈالنا شروع کیا اسی درمیان میں ایک بلی آ گئی اور وضو کے پانی والے برتن سے پانی پینے لگی، حضرت ابوقتادہؓ نے برتن کو اس کی جانب جھکا دیا یہاں تک کہ بلی نے اس سے پانی پی لیا، حضرت کبشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوقتادہؓ نے دیکھا کہ میں ان کی جانب (تعجب سے) دیکھ رہی ہوں تو آپؓ نے فرمایا کہ اے بھتیجی کیا تم تعجب کر رہی ہو؟ میں نے کہا جی ہاں تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے بلی نجس نہیں ہے بلکہ یہ تو تم پر چکر لگانے والی اور گھومنے والی ہے۔

مطلب الحدیث:

حدیثِ مذکورہ کا مطلب ترجمہ سے واضح ہورہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ ایک مرتبہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر تشریف لائے آپؓ کو کسی وجہ سے وہاں وضو کی ضرورت پیش آگئی چنانچہ آپؓ وضو کرنے بیٹھے تو آپؓ کی بہو حضرت کبشہ آپ کو وضو کرانے لگی اسی درمیان ایک بلی آگی اور اس نے پانی کو پینا شروع کردیا حضرت ابوقتادہؓ نے جب یہ دیکھا تو پانی کے برتن کو اور جھکا دیا تاکہ بلی آسانی سے پانی پی لے، حضرت کبشہ فرماتی ہیں مجھے اپنے سسر حضرت ابوقتادہؓ کے اس عمل سے بہت تعجب ہوا اور میں حیرت کے ساتھ ان کو دیکھنے لگی حضرت ابوقتادہؓ نے جب دیکھا کہ میں ان کے اس عمل پر حیران ہوں تو ارشاد فرمایا کہ اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے بلی گھروں میں بار بار چکر لگانے والی ہے اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے (اور جب یہ ناپاک نہیں ہے تو اس کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں ہے اس کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے)۔

جواب (ج)

سورِ ہرّہ کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

بلّی کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک اس مسئلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں..

مذہبِ اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام حسنؒ بن زیاد، امام حسنؒ بصری وغیرہ کا ہے ان حضرات کے نزدیک بلّی کا جھوٹا مکروہِ تنزیہی ہے۔

مذہبِ دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام ابویوسفؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک بلّی کا جھوٹا پاک ہے، اگر بلّی پانی میں منہ ڈال دے تو اس پانی سے وضو کرنا درست ہے۔

مذہبِ اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور مذہبِ اول کے قائل دیگر حضرات نے اپنے مسلک پر شرح معانی الاثار کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے، وکیلِ احناف حضرت امام طحاویؒ نے اپنی کتاب شرح معانی الاثار میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے "طھور الاناء اذاولغ فیه الھران یغسل مرة او مرتین" بلی جب کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس (برتن) کوایک مرتبہ یا فرمایا دومرتبہ دھوؤ، اس روایت سے بلی کے جھوٹے کومکروہ قرار دینے والوں نے بایں طور استدلال کیا ہے حضور علیہ السلام نے بلی کے جھوٹے برتن کوایک مرتبہ یا دومرتبہ دھونے کا حکم فرمایا ہے، پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا اپنی اصل کے اعتبار سے ناپاک ہے اگر یہ پاک ہوتا حضور علیہ السلام ہرگز بلی کے چاٹے ہوئے برتن کودھونے کا حکم نہ فرماتے، لیکن بلی چونکہ اکثر وپیشتر گھروں میں آتی جاتی رہتی ہے اس لئے عمومِ بلویٰ کی بنیاد پر یہ حضرات اس کے جھوٹے کومطلقاً ناپاک قرار نہ دیکر مکروہ قرار دیتے ہیں۔

مذہبِ دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہبِ دوم کے قائلین حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور دیگر حضرات نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیاہے، مذکورہ فی السوال حدیث سے تو ان حضرات کا ستدلال بالکل واضح ہے بایں طور کہ حضرت ابوقتادہؓ نے وضو کرتے ہوئے وضوکا پانی بلی کو پلا دیا اگر بلی کا جھوٹا ناپاک ہوتا توحضرت ابوقتادہؓ ایسا عمل ہرگز نہ فرماتے، رہی حضرت عائشہؓ کی روایت تو وہ طحاوی شریف میں مذکور ہے، حضرت عائشہؓ خود ارشاد فرماتی ہیں "کنت أغتسل أنا ورسول اللّٰہ صلیٰ اللّٰہ علیه وسلم من الاناء الواحد وقد اصابت الھر منه قبل ذلک" میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہمارے غسل کرنے سے پہلے بلی اس برتن سے پانی پی جاتی تھی، اس روایت سے بھی ان حضرات کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بالکل واضح ہے روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام جس برتن سے غسل فرماتے

تھے آپ علیہ السلام کے غسل کرنے سے پہلے بلّی اس برتن میں منہ ڈال کر اس سے پانی پی جاتی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلّی کا جھوٹا (خواہ پانی ہو یا کچھ اور) ناپاک نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ ناپاک ہوتا تو حضور علیہ السلام ہرگز بلّی کے جھوٹے پانی سے غسل نہ فرماتے پس اس پانی سے آپ علیہ السلام کا غسل فرمانا اس کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مذہبِ دوم کے مذکورہ دلائل کا جواب:

واضح رہے کہ احناف نے اپنی جانب سے مذہب دوم کے مذکورہ دلائل کا مدلل جواب دیا ہے چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ کی مذکورہ فی السوال روایت کا جواب تو یہ دیا ہے کہ اس میں بلّی کا جھوٹا پاک ہونے کی اصل علت حضور علیہ السلام کا ارشاد ''اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عليكم وَالطَّوَّافَات '' قرار دی گئی ہے لیکن حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بلّی کا جھوٹا پاک ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بلّی کا ظاہر بدن پاک ہے اور چونکہ یہ گھروں میں آتی جاتی رہتی ہے اس لئے اگر یہ بستر وغیرہ میں گھس جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بستر وغیرہ اس کے داخل ہونے ناپاک نہیں ہونگے، اور اگر اس روایت سے بلّی کا جھوٹا پاک ہونے پر استدلال کر بھی لیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ اس سے بلّی کے جھوٹے کا مکروہ ہونا ثابت ہوگا مطلقاً طاہر ہونا ثابت نہیں ہوگا۔(۱)

جواب (د)

حضرت ابوقتادہؓ نے اپنے بیٹے کی بیوی کو'' یابنة أخي '' کیوں کہا؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راویٔ حدیث حضرت کبشہ، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ کی اہلیہ ہیں اس اعتبار سے حضرت ابوقتادہؓ ان کے سسر ہیں اور یہ آپؓ کی بہو ہیں اس کے باوجود حضرت ابوقتادہؓ نے ان کو '' یابنة أخي '' اے میری بھتیجی کیوں کہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ نے ان کو'' یابنة أخي '' اپنی عادت کے مطابق کہا ہے، کیونکہ اہل عرب کی عادت یہ ہے کہ وہ مرد کو عموماً بھتیجا اور عورت کو بھتیجی کہہ کر پکارتے ہیں۔

(۱) الکلام المحمود ۱۳۳ تا ۲۳۶.

جواب (ھ)

سورہرّہ کے متعلق مسلک احناف کی وجوہِ ترجیح:

واضح رہے کہ احناف نے بلّی کے جھوٹے کو بہت سی وجوہات کی بنیاد پر مکروہِ تنزیہی قرار دیا احناف کی ان ترجیحی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اگر بلّی کے جھوٹے کو مطلقاً پاک قرار دیں گے تو پھر دیگر درندوں کے جھوٹے کو بھی پاک قرار دینا پڑے گا اس لئے کہ بلّی بھی من جملہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے جبکہ تمام درندوں کا جھوٹا احناف کے نزدیک بنص حدیث نجس اور ناپاک ہے، اور اگر بلّی کے جھوٹے کو مطلقاً ناپاک قرار دیں گے تو اس سے عوام الناس کو دقت اور دشواری پیش آجائے گی اس لئے بلّی اکثر خاموشی سے گھروں میں آتی جاتی رہتی ہے اور چپکے سے برتنوں میں منہ بھی ڈال دیتی ہے، پس اس دقت و پریشانی کے پیش نظر احناف نے درمیانی راہ اختیار کی اور بلّی کے جھوٹے کو نہ تو من کل الوجہ پاک قرار دیا اور نہ ناپاک قرار دیا، بلکہ اس کو مکروہ، تنزیہی قرار دیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۸﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۱۱﴾

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلىٰ اللّٰهِ عليه وسلمَ اِنَّانَرْكَبُ الْبَحْرَوَنَحْمِلُ مَعْنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَابِهِ عَطِشْنَاأَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلىٰ اللّٰهِ عليه وسلمَ هُوَالطُّهُوْرُ مَاؤُه والْحِلُّ مَيْتَتُهٗ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) صحابیؓ کو ماء بحر کی طہارت کے متعلق تردد کیوں ہوا اس کی وضاحت کریں (د) سائل نے ماء بحر کے متعلق سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے مزید ''الحل میتتہٗ'' کیوں فرمایا اس کی بھی وضاحت کریں (ھ) میتۃ البحر کے متعلق أئمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم فرمایا کہ یا رسول اللہ ہم سمندر میں (کشتی پر) سوار ہوتے ہیں اور پینے کیلئے تھوڑا سا پانی اپنے ساتھ رکھتے ہیں اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں گے تو پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

حدیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی مدلج کے ایک صحابی نے جن کا نام بعض محدثین نے عبداللہؓ اور بعض نے عبد یا عبید یا حمید بن صخر بتلایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کا مسئلہ معلوم کیا اور سوال میں پوری تفصیل عرض کی کہ یا رسول اللہ بہت سی مرتبہ ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور دورانِ سفر پینے کیلئے تھوڑا سا میٹھا پانی اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں اب نماز کے وقت میں اس پانی ہم وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے اس لئے کہ سمندر کا پانی کڑوا ہونے کی وجہ سے پینے کے لائق نہیں ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

جواب (ج)

صحابیؓ کو ماء بحر کی طہارت کے متعلق تردد کیوں ہوا؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا کہ صحابیؓ کو سمندر کے پانی کی طہارت کے متعلق تردد کیوں ہوا اور انھوں نے اس سے وضو کرنے کے متعلق حضور علیہ السلام سے کس لئے سوال فرمایا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صحابیؓ کو سمندر کے پانی کی طہارت میں اس لئے تردد ہوا تھا کہ

اس کے متعلق ابتداء اسلام میں صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سمندر کے پانی سے وضو کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جبکہ دیگر صحابہؓ کراہت کے قائل نہیں تھے بلکہ اس پانی سے وضو کرنے کو صحیح قرار دیتے تھے اور صحابہؓ کے درمیان اس اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ سمندر میں مختلف قسم کی نجاستیں گرتی ہیں نیز سمندری جانور اسی میں مر کر گل سڑ جاتے ہیں اسی طرح بعض روایات سے سمندر کے نیچے دوزخ کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے پس بایں وجہ بعض صحابہؓ کو یہ خیال تھا کہ سمندر کا پانی پاک نہیں ہے یا اگر پاک ہے تو مکروہ ضرور ہے اور اس وضو کرنا بھی مکروہ ہے، اسی خیال کے پیش نظر قبیلہ مدلج کے ایک صحابی نے حضور علیہ السلام سے اس پانی کی طہارت کے متعلق سوال فرمایا اور آپ علیہ السلام نے اس پانی کو پاک قرار دیکر ان کے شک کو دور فرمادیا۔(۱)

جواب (د)

سوال میں حضور وعلیہ السلام کے "الحل میتتہ" کے اضافہ فرمانے کی وجہ:

ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا کہ حدیث مذکورہ میں سائل نے سوال تو صرف سمندر کے پانی سے وضو کرنے متعلق کیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا جواب دیتے ہوئے پانی کی پاکی کا حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سمندری جانوروں کے حلال ہونے کا حکم کیوں بیان فرمایا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ کہ حضور علیہ السلام نے یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم کے طور پر ارشاد فرمایا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ سائل نہ صرف سمندری پانی کے حکم سے ناواقف ہے بلکہ اس کو سمندری جانوروں کا حکم بھی معلوم نہیں ہے حالانکہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے جس طرح انہیں پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، پس سائل کی ضرورت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔

واضح رہے کہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم میں جواب کا سوال کے مطابق ہونا لازم نہیں ہوتا

(۱) الکلام المجود ۱ ۲۳ تا ۲۳۷۔

بلکہ اس میں سائل کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر جواب دیا جاتا ہے اسی لئے اس کو جواب علیٰ اسلوب الحکیم کہتے ہیں۔

جواب (ھ)

میتۃ البحر کے متعلق أئمہ کے مذاہب اور دلائل:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث میں حضور علیہ السلام نے "الحل میتة" فرما کر میتۃ البحر یعنی سمندر کے مردار جانوروں کو حلال قرار دیا ہے، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میتۃ البحر کی حلت میں کون کون سے جانور داخل ہوتے ہیں اور کون کون سے نہیں ہوتے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک سمک (یعنی مچھلی) کے علاوہ تمام بحری جانور حرام ہیں۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کا ہے، آپؒ کے نزدیک خنزیرِ بحری کے علاوہ تمام بحری جانور حلال ہیں، البتہ خنزیر کے متعلق ان کے تین اقوال ہیں (۱) حلت (۲) حرمت (۳) توقف۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے، آپؒ کے اس مسئلہ میں چار قول ہیں (۱) سمک کے علاوہ تمام بحری جانور حرام ہیں (۲) جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جتنے خشکی میں حرام ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حرام ہیں مثلاً بقرِ بحری حلال ہے اور کلب بحری حرام ہے اس لئے کہ یہ خشکی میں

بھی اسی طرح حلال اور حرام ہیں، اور جس سمندری جانور کی نظیر خشکی میں نہیں ہے وہ بھی حلال ہے (۳) ضفدع، تمساح، سلحفاۃ، کلبِ بحری اور خنزیرِ بحری کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں (۴) ضفدع کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں، واضح رہے کہ یہ چوتھا قول بقول امام نوویؒ کے شوافع کا مفتیٰ بہ قول ہے۔

مذہب چہارم:

چوتھا مذہب حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ہے، آپؒ کے نزدیک تمساح، ضفدع اور کوسج کے علاوہ تمام بحری جانور حلال ہیں۔

مذہبِ اوّل کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے اس مسلک پر کہ سمک (مچھلی) کے علاوہ تمام سمندری جانور حرام ہیں قرآن وحدیث دونوں سے استدلال کیا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم سے آپؒ کی پہلی دلیل آیتِ کریمہ "ویحرم علیهم الخبائث" ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے خبائث کو حرام قرار دیا ہے اور خبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے کھانے سے عام طور سے انسان کی طبیعت گھن کرتی ہے اور مچھلی کے علاوہ تمام سمندری جانور اسی قبیل سے ہیں کہ ان کے کھانے انسان کی طبیعت گھن کرتی ہے پس وہ سب بھی اس آیت شریفہ کے ذیل میں داخل ہو کر حرام ہیں۔ اور قرآنِ کریم سے احناف کی دوسری دلیل آیت کریمہ "حرمت علیکم المیتة" ہے، اس آیت سے احناف نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس میں ہر طرح کے مردار کو حرام قرار دیا ہے پس ہر طرح کا مردار حرام ہے علاوہ اس مردار کے جس کی تخصیص کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو اور مچھلی ایسی ہی مردار ہے اس کی حلت دلیل شرعی یعنی حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "احلت لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال" ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں، مرادر سے مچھلی اور ٹڈی اور خون سے جگر اور تلی مراد ہیں، اس حدیث کی بنیاد پر احناف فرماتے ہیں کہ ہر طرح کا مردار کھانا اگرچہ

بنصِ قرآنی حرام ہے مگر مچھلی اور ٹڈی اس حدیث مشہور کی بنیاد پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور ان کا کھانا حلال ہے۔ واضح رہے کہ اس حدیث شریف میں مچھلی کے ساتھ جو لفظِ میتة مذکور ہے اس سے مراد مردہ مچھلی نہیں ہے بلکہ غیر مذبوح مچھلی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مچھلی کو بغیر ذبح کئے کھانا حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

مذہب دوم، سوم اور چہارم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہبِ دوم، سوم اور چہارم کے قائلین یعنی حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ بن حنبل نے بھی اپنے اپنے مسالک پر قرآن وحدیث دونوں سے استدلال کیا ہے، حدیث سے تو ان حضرات کی دلیل مذکورہ فی السوال روایت ہے اس روایت میں مطلقاً میتۃ البحر کو حلال قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کا سمندری مردار استعمال کرنا حلال ہے۔

اور قرآنِ کریم سے ان حضرات کی دلیل آیتِ کریمہ ''**أحل لكم صيد البحر وطعامه**'' ہے اس آیت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے اس میں اللہ رب العزت نے سمندر میں شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال قرار دیا ہے اور ساتھ ہی لفظِ صید کو مطلق ذکر فرمایا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے سمندری جانور کا استعمال کرنا حلال ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خنزیر کو چونکہ قرآن کریم نے صراحتاً حرام قرار دیا ہے اس لئے یہ سمندری جانوروں کی حلت سے مستثنیٰ ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں ضفدع (یعنی مینڈک) کے قتل کی حدیث میں ممانعت ہے، اس لئے یہ بھی سمندری جانوروں کی حلت سے مستثنیٰ ہے۔

جواب (و)

احناف کی جانب سے أئمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب:

واضح رہیکہ حضرات أئمہ ثلاثہ نے جن دلائل سے سمندر کے جانوروں کی حلت پر استدلال کیا ہے ان میں سے پہلی دلیل یعنی آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ آیت ''**أحل لكم صيد البحر**'' میں لفظِ صید سے مصید مراد نہیں ہے جیسا کہ ان حضرات نے لیا ہے بلکہ اس سے اس کے معنیٰ مصدری

(۱) الکلام المحمود ۲۳۴ تا ۲۳۷.

اصطیاد مراد ہیں اور آیت شریفہ کا مقصد جیسا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے سمندری جانوروں کی حلت کو بتانا نہیں ہے بلکہ حالتِ احرام میں سمندری شکار کے جواز کو ثابت کرنا ہے، پس اس آیت کریمہ سے ان حضرات کا مطلقاً سمندری جانوروں کی حلت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اوران حضرات کی دوسری دلیل یعنی مذکورہ فی السوال حدیث کا جواب یہ ہے کہ جناب! یہ حدیث بھی آپ کی دلیل نہیں بن سکتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو سمندری جانوروں کی حلت کی دلیل بنایا جائے تو اس سے مطلقاً سمندری جانوروں کی حلت ثابت ہوتی ہے حالانکہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی مطلقاً سمندری جانوروں کی حلت کا قائل نہیں ہے بلکہ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ استثناء کر رکھا ہے پس معلوم ہوا کہ اس حدیث سے بھی ان حضرات کا استدلال کرنا تام نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۹﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۲﴾

عَنْ اَبِیْ فَزَارَۃَ عَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عن عَبْدَ اللّٰہِ بْن مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَال لَہٗ لَیْلَۃَ الْجِنِّ مَا فِیْ أَدَاوَتِکَ؟ قَالَ: نَبِیْذٌ، قَالَ: تَمْرَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَمَاءٌ طَھُوْرٌ، قَالَ:أَبُوْ دَاوُدَ: قَالَ سُلَیْمَانُ: عَنْ أَبِیْ زَیْدٍ أَوْ زَیْدٍ، کَذَاقَالَ شَرِیْکٌ: وَلَمْ یَذْکُرْ ھَنَّادٌ لَیْلَۃَ الْجِنِ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حضرت امام ابوداوٗدؒ نے اس حدیث کے خلاف حضرت ابنِ مسعود ہی کی دوسری حدیث پیش کی ہے اس حدیث کو تحریر کریں، اور پھر دونوں حدیثوں کے درمیان ہونے والے تعارض کو تفصیل سے لکھ کر دور فرمائیں (ج) نبیذ تمر کے اقسام تحریر کریں نیز نبیذ تمر کی کس قسم میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے اس کو تحریر کریں اور امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول بھی بیان کریں (د) ابوفزارہؒ، ابوزیدؒ پر اور اس حدیث پر محدثین نے کیا کلام کیا ہے اس کو مع جواب تحریر کریں نیز قال ابوداوٗدؒ کی تشریح تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معلوم فرمایا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ نبیذ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے۔

جواب (ب)

اس حدیث کے خلاف حضرت ابن مسعودؓ کی دوسری روایت:

حدیثِ مذکورہ فی السوال کے خلاف حضرت امام ابوداؤدؒ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود ہی کی درجِ ذیل روایت پیش کی ہے......

حد ثنا وهيبٌ عن داؤد عن عامر عن علقمة قال: قلت لعبد اللّٰه بن مسعود من كان منكم مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة الجن. فقال: ما كان معهُ منا أحدٌ. (۱)

مذکورہ بالا حدیثوں کے درمیان ہونے والے تعارض کی تفصیل:

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکورہ فی السوال اور حضرت علقمہؒ سے منقول ان کے مذکورہ بالا قول کے درمیان تعارض ہے اور یہ تعارض جیسا کہ عبارات ہی سے ظاہر ہو رہا ہے یہ ہے کہ مذکورہ فی السوال روایت میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود لیلۃ الجن میں اپنے آپ کا حضور علیہ السلام کے ہمراہ ہونا بیان کر رہے ہیں جبکہ دوسری روایت میں حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے معلوم کیا کہ لیلۃ الجن میں آپ حضرات میں سے حضور علیہ السلام کے ساتھ کون تھا تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس رات حضور علیہ السلام کے ساتھ ہم میں سے کوئی نہیں تھا، پس پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے جبکہ دوسری روایت

---

(۱) سنن ابی داؤد: باب الوضوء بالنبیذ ۱/۱۲ ھندی نسخہ

میں خود حضرت عبداللہ اپنیؓ ہی تو کیا ہر ایک کی اس رات حضور علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی نفی کر رہے ہیں۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا ہے اور حضرت عبداللہؓ نے ایک روایت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنے ہونے اور دوسری روایت میں کسی کے بھی نہ ہونے کی جو خبر دی ہے یہ الگ الگ لیلۃ الجن کے متعلق ہیں ایک لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت عبداللہؓ بن مسعود تھے جس کی خبر آپؓ نے اپنی پہلی روایت دی ہے اور ایک لیلۃ الجن میں آپ علیہ السلام کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا جس کی خبر حضرت عبداللہؓ نے دوسری روایت میں دی ہے، پس معلوم ہوا کہ ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ یہ دونوں روایات دو الگ الگ واقعہ پر محمول ہیں۔

جواب (ج)

نبیذ تمر کی اقسام اور کس قسم میں ائمہ کا اختلاف ہے اس کی وضاحت:

واضح رہے کہ نبیذ تمر کی تین قسمیں ہیں (۱) نبیذ تمر غیر مطبوخ، غیر مسکر، غیر متغیر، غیر حلو، رقیق (۲) نبیذ تمر مطبوخ، مسکر، غلیظ جس کی رقت وسیلانیت ختم ہوگئی ہو (۳) نبیذ تمر حلو، رقیق، غیر مطبوخ، غیر مسکر، نبیذ کی ان تینوں اقسام میں سے پہلی دو میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے پہلی قسم سے بالاتفاق وضو کرنا جائز اور دوسری سے ناجائز ہے، رہی تیسری قسم تو اس سے وضو کے جائز ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں (۱) پہلا قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر میٹھی، رقیق، غیر مطبوخ، غیر مسکر نبیذ تمر موجود ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی پانی نہیں ہے تو اسی نبیذ سے وضو کرنا ضروری ہے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے (۲) دوسرا قول حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام ابو یوسفؒ کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں اگر کسی بھی قسم کی نبیذ تمر موجود ہے اور اس کے علاوہ کوئی پانی موجود نہیں ہے تو تیمم کرنا ضروری ہے اس نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۳) تیسرا قول حضرت امام محمدؒ کا ہے اگر میٹھی، رقیق، غیر مطبوخ، غیر مسکر

نبیذ موجود ہواور دوسرا کوئی پانی موجود نہ ہوتو آدمی کو چاہئے کہ پہلے نبیذ سے وضو کرلے پھر بعد میں تیمم کرلے۔(۱)

نبیذ تمر کے متعلق حضرت امام اعظمؒ کا آخری قول:

واضح رہے کہ بدائع الصنائع میں حضرت علامہ کاسائیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ نبیذ تمر کے سلسلے میں حضرت امام اعظمؒ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا اور اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، پس اب نبیذ سے وضو کرنے کے عدمِ جواز پر چاروں أئمہ کا اتفاق ہے۔

جواب(د)

ابوفزارہؒ اور ابوزیدؒ پر محدثین نے کیا کلام کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث کے دو راویوں پر محدثین نے کلام کیا ہے چنانچہ پہلے راوی حضرت ابوفزارہؒ ہیں آپؒ کا اصل نام راشد بن کیسان عبسیؒ ہے، جرح وتعدیل کے مشہور امام یحیٰ بن معینؒ اور امام دار قطنیؒ نے آپؒ کو ثقہ قرار دیا ہے، اس کے برخلاف ایک قول یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے آپؒ کو مجہول قرار دیا ہے لیکن شیخ ابن الہادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی جانب اس قول کی نسبت کرنا کہ ابوفزارہؒ مجہول ہیں بالکل غلط ہے۔

اس حدیث کے دوسرے راوی جن پر محدثین نے کلام کیا ہے ابوزیدؒ ہیں آپؒ کو حضرت امام ترمذیؒ، حافظ زیلعیؒ اور اکثر محدثین نے مجہول قرار دیا ہے اور اکثر کی رائے یہی ہے کہ آپؒ سے اس ایک حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے، لیکن ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث کو ابوزیدؒ سے ابوفزارہؒ کے علاوہ ابو روّاقؒ نے بھی روایت کیا ہے اور جب کسی راوی سے روایت کرنے والے دو ہو جاتے ہیں تو پھر مروی عنہ مجہول نہیں رہتا بلکہ معروف کے درجہ میں آجاتا ہے، نیز علامہ عینیؒ نے اس حدیث کے چودہ رواۃ ایسے شمار کرائے ہیں جو اس حدیث کو حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے ابوزیدؒ ہی کی طرح روایت کرتے ہیں، پس سے اس معلوم ہوتا ہے کہ ابوزیدؒ مجہول مطلق راوی نہیں ہیں بلکہ ابوفزارہؒ کی مثل مختلف فیہ راوی ہیں۔(۲)

(۱) الدر المنضود ۱/۲۱۶. (۲) بذل المجہود، بیروت ۱/۴۴۹.

اس حدیث پر محدثین نے کیا کلام کیا ہے؟:

واضح رہے کہ اس حدیث کو محدثین نے چند وجوہات کی بنیاد پر معلل قرار دیا ہے، ان وجوہات میں سے پہلی وجہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابوفزارہؒ کا مختلف فیہ ہونا ہے اور دوسری وجہ ایک اور دوسرے راوی حضرت ابوزیدؒ کا مجہول ہونا ہے نیز ایک تیسری وجہ حضرت علقمہؒ کی روایت میں حضرت عبداللہؓ کا لیلۃ الجن میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ہونے سے انکار کرنا ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی یہ حدیث اگر چہ صحت کے درجہ سے کم ہے لیکن متابعات کی بناء پر حسن درجہ کی ہے، رہی مذکورہ بالا وہ وجوہات جن کی بناء پر محدثین نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے تو ان میں سے پہلی وجہ کا جواب یہ ہے کہ ابوزید مجہول راوی نہیں ہیں بلکہ بقول علامہ ابن العربیؒ کے ان سے ابوفزارہؒ کے علاوہ ابوروقؒ نے بھی احادیث کو روایت کیا ہے، اور جب کسی رواى سے روایت کرنے والے دو ہوتے ہیں تو پھر مروی عنہ مجہول نہیں رہتا ہے، اور دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ ابوفزارہؒ کے ثقہ اور مجہول ہونے میں اگر چہ محدثین کا اختلاف ہے حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے ان کو مجہول قرار دیا ہے لیکن اس کے برخلاف حضرت راشد بن کیسان عبسیؒ، ابن معینؒ اور دار قطنیؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن صرف ایک ہی مرتبہ نہیں ہوئی بلکہ چھ مرتبہ ہوئی ہے ان میں سے پہلی مرتبہ میں حضرت عبداللہ ؓبن مسعود حضور علیہ السلام کے ساتھ نہیں تھے اور دوسری اور تیسری میں ساتھ تھے، پس حضرت علقمہؒ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے جو نفی کی ہے وہ صرف پہلی مرتبہ کے اعتبار سے ہے اور مذکورہ فی السوال روایت میں جو اثبات ہے وہ دوسری اور تیسری مرتبہ کے اعتبار سے ہے، پس مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر اس روایت کو معلل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔(۱)

قال ابوداؤدؒ کی تشریح:

قال ابوداؤدؒ سے مصنفؒ نے اس روایت کے متعلق رواۃ کے لفظی اختلاف کی جانب اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو میں نے حضرت هنادؒ اور حضرت سلیمانؒ سے

(۱) الدر المنضود ۱/۲۱۸.

روایت کیا ہے اور یہ دونوں حضرات اس روایت کو حضرت شریکؒ سے روایت کرتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ حضرت شریکؒ جب اس روایت کو حضرت ھنادؒ سے بیان کرتے ہیں تو اپنے استاذ الاستاذ کا نام ابوزید بیان کرتے ہیں اور سلیمان سے بیان کرتے ہیں تو ان کا نام شک کے ساتھ ''ابو زید أو زید'' بیان کرتے ہیں اور دوسری بات جو مصنفؒ نے قال ابوداؤدؒ کہکر بیان کی ہے یہ ہے کہ میرے استاذ حضرت سلیمانؒ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے لیلۃ الجن کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت ھنادؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۴﴾

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلمَ: لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لاَوُضُوءَ لَهُ وَلا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) وضو میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (ج) حدیث مذکور اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کا جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا ہے جس کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہوتی اور جس نے وضو (کے شروع) میں اللہ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوتا۔

جواب (ب)

وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق ائمہ کے مذاہب:

وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے اس سلسلے میں فقہاء کرام کے مابین

اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھنا ایک روایت کے اعتبار سے سنت اور ایک روایت کے اعتبار سے مستحب ہے۔

احناف میں سے صاحبِؒ ہدایہ نے اور حنابلہ میں سے حضرت علامہ ابن قدامہؒ نے استحباب کی روایت کو ترجیح دی ہے، جبکہ مالکیہ اور شوافع نے اس کے مسنون ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام اسحاقؒ بن راہویہ، بعض اہل ظاہر اور احناف میں سے شیخ ابن ہمامؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو کے آغاز میں بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے اس کو جان بوجھ کر ترک کر دیا تو اس پر وضو کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین حضرات ائمہ اربعہ نے وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے کے عدمِ وجوب پر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن دار قطنی اور سنن بیہقی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "من توضأ فذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ علیٰ وضوئه کان طھوراً لجسده، قال: ومن توضأ ولم یذکر اسم اللّٰه علیه کان طھوراً لأعضائه "جس شخص نے وضو کیا اور وضو کے آغاز میں اللہ کا نام لیا تو یہ وضو اس کے تمام بدن کی پاکی ہے اور جس شخص نے وضو کیا اور وضو کے آغاز میں اللہ رب العزت کا نام نہیں لیا تو یہ وضو صرف اس کے اعضاء کی پاکی ہے۔

حضرات ائمہ اربعہ نے اس روایت سے بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وضو کو جس کے آغاز میں اللہ رب العزت کا نام نامی لے لیا جائے پورے بدن کی پاکی قرار دیا ہے اور اس وضو کو جس میں اللہ رب العزت کا نام نہ لیا جائے صرف اعضاء وضو کی پاکی قرار دیا

ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر بسم اللہ پڑھے کیا جانے والا وضو بھی جائز ومعتبر ہے، وضو کے آغاز میں بسم اللہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے سنت یا واجب ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرۃؓ کی ایک مرفوع روایت ہے، حضرت امام طبرانیؒ نے اپنی مشہور کتاب معجم صغیر میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''یاأبا هريرةؓ اذا توضأت فقل بسم اللّٰه والحمد للّٰه فان حفظتك لا تبرح تكتب لك الحسنات حتى تحدث من ذلك الوضوء'' أئمہ اربعہ نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف کے پڑھنے کو سنت اور مستحب قرار دیا ہے، اور استدلال بایں طور کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس روایت میں وضو کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھنے کو زیادتی فضیلت کا سبب بیان کیا ہے اور یہی استحباب کی واضح دلیل ہے۔(۱)

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ'' جو شخص وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھے اسکا وضو نہیں ہوتا ہے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں بغیر بسم اللہ پڑھے کئے جانے والے وضو کی نفی کی گئی ہے اور یہ نفی، نفی صحت ہے اور اس مراد یہ ہے کہ بغیر تسمیہ کے کیا جانے والا وضو صحیح نہیں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ وضو کے صحیح ہونے کیلئے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اسی کا دوسرا نام واجب ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ فی السوال حدیث کا جواب:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے لیکن احناف اس روایت

(۱) بذل المجهود بيروت ۱/۳۹۸.

کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس روایت میں بغیر بسم اللہ پڑھے کیے جانے والے وضو کی جونفی کی گئی ہے وہ نفی صحت نہیں ہے بلکہ وہ نفی کمال ہے اور اس کا مطلب یہ ہے جو شخص بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کر لیتا ہے اس کا وضو تو ہو جاتا ہے البتہ اس کو وضو کا کامل ثواب نہیں ملتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۴﴾

عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لاَ وُضُوءَ لَهُ وَلاَ وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (و) عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ قَالَ: وَذَكَرَ رَبِيْعَةُ أَنَّ تَفْسِيْرَ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلمَ. لا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ. أَنَّهُ الَّذِيْ يَتَوَضَّأُ وَيَغْتَسِلُ وَلاَ يَنْوِيْ وُضُوْءً لِصَّلاةِ وَغُسْلاً لِلْجَنَابَةِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) یعقوب اور عن ابیہ کے متعلق علماء کے اقوال ذکر کریں (ج) وضو میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) ربیعۃ الرائیؒ اس حدیث کا کیا مطلب بیان کر رہے ہیں؟ ان کی یہ تفسیر کس طرح صحیح ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا ہے جسکا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں ہوتی اور جس نے وضو (کے شروع) میں اللہ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوتا۔

حضرت عبد العزیز دراوردیؒ فرماتے ہیں کہ ربیعۃ الرائے نے آپ علیہ السلام کی حدیث "لاَ وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ" کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص

ہے جو وضو یا غسل کرے اور اس وضو سے نماز کی اور غسل سے جنابت دور کرنے کی نیت نہ کرے۔

جواب (ب)

یعقوب اور عن ابیہ کے متعلق علماء کے اقوال:

واضح رہے کہ اس حدیث کے روای حضرت یعقوبؒ بن سلمۃ عندالمحد ثین ایک ضعیف روای ہیں، چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے ''شیخ لیس بمعتمد'' بزرگ ہیں لیکن روایتِ حدیث میں معتمد نہیں ہیں، اسی طرح حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں ''لایُعرف لہ سماع من أبیہ '' ان کا اپنے والد سے سماعِ حدیث ثابت نہیں ہے۔

قولہ: عَنْ أَبِیْہ......

اس سے حضرت یعقوبؒ کے والد حضرت سلمہ لیثیؒ مراد ہیں، لیکن محد ثین کے نزدیک ان کا سماعِ حدیث حضرت ابو ہریرۃؓ سے ثابت نہیں ہے، نیز سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے اس کے علاوہ صحاح میں ان سے اور کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

جواب (ج)

وضو میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق أئمہ کے مذاہب کا خلاصہ:

وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے اس سلسلے میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے جس کی تفصیل مع دلائل کے سابق میں گذر چکی ہے خلاصۃ عرض ہے کہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں، پہلا مذہب أئمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کا ہے، ان کے نزدیک وضو کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ ایک روایت کے اعتبار سے سنت اور ایک روایت کے اعتبار سے مستحب ہے، دوسرا مذہب حضرت امام اسحاقؒ بن راہویہ، بعض اہل ظاہر اور احناف میں سے

شیخ ابن ہمامؒ کا ہے ان کے نزدیک وضو کے آغاز میں بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے جان بوجھ کر اس کو ترک کر دیا تو اس پر وضو کا اعادہ کرنا لازم ہے۔

حضرات أئمہ اربعہ نے اپنے مذہب پر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے سنن دار قطنی اور سنن بیہقی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''من توضأ فذکر اسم اللّٰہ تعالیٰ علیٰ وضوئہ کان طھوراً لجسدہ، قال: ومن توضأ ولم یذکر اسم اللّٰہ علیہ کان طھوراً لأعضائہ'' جس شخص نے وضو کیا اور وضو کے آغاز میں اللہ کا نام لیا تو یہ وضو اس کے تمام بدن کی پاکی ہے اور جس شخص نے وضو کیا اور وضو کے آغاز میں اللہ رب العزت کا نام نہیں لیا تو یہ وضو صرف اس کے اعضاء کی پاکی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر بسم اللہ پڑھے کیا جانے والا وضو بھی جائز و معتبر ہے اور وضو کے آغاز میں بسم اللہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔

اس کے برخلاف مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مذہب پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''لاَ وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ'' جو شخص وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوتا ہے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے اس روایت میں بغیر بسم اللہ پڑھے کئے جانے والے وضو کی جو نفی کی گئی ہے وہ نفی صحت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر بسم اللہ کے کیا جانے والا وضو صحیح نہیں ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ وضو صحیح ہونے کیلئے بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے اور اسی کا دوسرا نام واجب ہے۔

جواب (د)

ربیعۃ الرائے نے اس حدیث کا کیا مطلب بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت ربیعۃؒ الرائے نے حضور علیہ السلام کے اس ارشاد ''لاَ وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا'' کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں اللہ کا نام لے نے

سے تسمیہ مراد نہیں ہے بلکہ نیت مراد ہے اور مطلب یہ کہ جو شخص وضو کرتے ہوئے اس وضو سے نماز پڑھنے کی نیت کرلے تو وہ وضو سے پہلے تسمیہ پڑھنے والا شمار ہوتا خواہ اس نے زبان سے اللہ کا نام نہ لیا ہو لیکن اس کا نیت کرلینا ذکر کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا آپؐ نے اس حدیث میں اسم اللہ سے مراد نیت یعنی ذکرِ قلبی کو لیا ہے، پس اس اعتبار سے یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہوگی اس لئے کہ احناف بھی اجر و ثواب حاصل ہونے کیلئے نیت کے قائل ہیں۔ (۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۵﴾

حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ آدَمَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَامِرِ بْنِ شَقِيقِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَمَسَحَ رأسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ فَعَلَ هٰذَا. قَالَ أَبُوْدَاؤدَ: رَوَاهُ وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ قَالَ: تَوَضَّأَ ثلاثًا قَطُّ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) سر پر تین مرتبہ مسح کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) حضرت عثمانؓ کی وہ احادیث جو مسح رأس کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کے متعلق امام ابو داؤدؒ کیا کہتے ہیں تحریر کریں (ہ) قال ابوداؤدؒ کا مقصد واضح کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت شقیق بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین بار دھویا اور تین مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱) بذل المجہود، بیروت ۱/۵۰۰۔

حضرت امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اسرائیلؒ نے وکیعؒ سے روایت کرتے ہوئے صرف "توضأ ثلاثاً" کہا ہے (یعنی تثلیث فی المسح کو بیان نہیں کیا ہے)

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شقیقؒ بن سلمہ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ بن عفان نے وضو کیا اور وضو کرتے ہوئے اپنے اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا اور تین ہی مرتبہ اپنے سر پر مسح فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو کرتے ہوئے سر پر تین مرتبہ مسح فرمایا ہے) واضح رہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے اس عمل اور قول سے امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ وضو کرتے ہوئے جس طرح اعضاء کو تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اسی طرح سر پر بھی تین مرتبہ مسح کرنا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔

جواب (ج)

مسح رأس کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

وضو کرتے ہوئے سر پر کتنی مرتبہ مسح کرنا مسنون ہے اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک وضو میں سر پہ صرف ایک مرتبہ مسح کرنا مسنون ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے، آپؒ کے نزدیک وضو میں سر پہ تین مرتبہ نئے پانی سے مسح کرنا مسنون ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر ترمذی شریف کی روایت سے استدلال کیا ہے ترمذی شریف میں حضرت ربیعؓ بنت معوذ سے مروی ہے ارشاد فرماتی ہیں "أنهارأت النبي صلى الله عليه وسلم يتوضأ ،قالت:مسح رأسه ومسح ماأقبل منه وماأدبر وصدغيه واذنيه مرة واحدة "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ پر (یعنی مکمل سر پر) اور اپنی دونوں کنپٹی اور دونوں کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا۔ اس حدیث سے مذہب اول کے قائلین کا استدلال بالکل واضح ہے، حدیث شریف میں صرحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دورانِ وضو سر پر ایک مرتبہ مسح کرنا منقول ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک ہی مرتبہ مسح کرنا مسنون ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائل حضرت امام شافعیؒ نے وضو میں سر پہ تین مرتبہ مسح کرنے کے مسنون ہونے پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کے دوران سر پر تین مرتبہ مسح کیا اور پھر اس کو حضور علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے بھی ایسا کیا ہے پس حضرت عثمانؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام وضو کرتے ہوئے سر پر تین مرتبہ مسح فرماتے تھے لہذا وضو میں سر پر تین ہی مرتبہ مسح کرنا مسنون ہے۔

جواب (د)

مسح رأس کے متعلق حضرت عثمان کی احادیث پر امام ابوداؤد کا تبصرہ:

وضو میں سر پر مسح کرنے کے متعلق حضرت عثمانؓ سے جو روایات منقول ہیں ان میں بعض روایات وہ ہیں جن میں سر پر تین مرتبہ مسح کرنا مذکور ہے اور بعض وہ ہیں جن میں صرف ایک مرتبہ مسح کرنا مذکور ہے، حضرت امام ابوداؤدؒ ان تمام روایات کے متعلق ارشاد فرماتے

ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے وضو کے سلسلے میں منقول ہونے والی اکثر روایات اس بات پر دلالت کرتیں ہیں کہ وضو میں سر کا مسح صرف ایک بار ہے تین مرتبہ نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان تمام روایات میں راوی جب حضرت عثمانؓ کے دیگر اعضاء کو دھونے کی تفصیل بیان کرتا ہے تو ثلاثا ثلاثا کی قید لگا کر عددِ غسل کو بھی بیان کرتا ہے لیکن جب سر پر مسح کا ذکر کرتا ہے تو اکثر روایات میں صرف ''مسح رأسه'' بیان کرتا ہے پس اگر وضو میں سر پر تین مرتبہ مسح کرنا مسنون ہوتا تو حضرت عثمانؓ کی تمام رایات میں ''مسح رأسه'' کے ساتھ ثلاثا ثلاثا کی قید بھی ضرور مذکور ہوتی۔

جواب (ھ)

قال ابوداوُدؒ کا مقصد:

حضرت امام ابوداوُدؒ ''قال ابو داؤد'' سے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حدیث مذکورہ فی السوال کے روای حضرت اسرائیلؒ کے دو شاگرد ہیں ایک یحیٰؒ بن آدم ہیں اور دوسرے حضرت وکیعؒ ہیں اور مذکورہ فی السوال حدیث یحیٰؒ بن آدم کے طریق سے بیان کی گئی ہے اور اس میں ''مسح رأسه ثلاثا'' کے الفاظ مذکور ہیں، اس کے برخلاف حضرت وکیعؒ بھی اس روایت کو حضرت اسرائیلؒ سے نقل کرتے ہیں مگر آپؒ ''مسح رأسه ثلاثا'' کے الفاظ ذکر نہیں کرتے، پس اس اعتبار سے حضرت یحیٰؒ اور حضرت وکیعؒ کی روایات کے درمیان اختلاف ہے، اور یہ ثابت ہے کہ جب حضرت یحیٰؒ کی کوئی روایت حضرت وکیعؒ کی کسی روایت کی مخالف ہو تو حضرت وکیعؒ کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت وکیعؒ، حضرت یحیٰؒ کے مقابلہ میں اقویٰ ہیں، پس یہاں بھی حضرت وکیعؒ کی روایت راجح ہے اور اس میں حضرت عثمانؓ سے وضو میں سر پر تین مرتبہ مسح کرنا مذکور نہیں ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



(۱) زبدة المقصود ۵۰،الدر المنضود ۱ / ۲۵۴.

وضمضہ استنشاق

﴿سوال ۲۳﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۶﴾

أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ عَمْرِوبْنِ يَحْيَ الْمَازِنِيِّ عن أبيه عَنْ عَبْدِاللّٰه بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، قَالَ: فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَه‘۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت لکھیں (ج) مضمضہ اور استنشاق کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) مذکورہ بالا عبارت میں جو حدیث مذکور ہے اس کو عمر بن یحیٰ سے خالدؒ کے علاوہ اور کوئی بھی نقل کر رہا ہے یا نہیں اس کو بھی تحریر کریں (ھ) احناف اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت خالدؒ حضرت عمرو بن یحیٰ المازنی سے اور وہ اپنے والد حضرت یحیٰ سے ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ انہوں نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ (عمل) ایک ہی چلو سے تین مرتبہ کیا، پھر پہلی حدیث کی طرح ذکر فرمایا۔

جواب (ب)

مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت:

مضمضہ لغت میں "تحریک الماء فی الفم" اور عوام کی اصطلاح میں کلی کرنے کو کہتے ہیں اس کے کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولاً منہ میں پانی لیکر اس کو تھوڑا سا گھمایا جائے اور اس کے بعد منہ سے نکال دیا جائے، اور استنشاق لغت میں ناک میں پانی داخل کرنے کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد ناک میں پانی داخل کر کے نکالنا ہے۔

جواب (ج)

مضمضہ اور استنشاق کے متعلق أئمہ اربعہ کے مذاہب اور دلائل:

وضو میں مضمضہ اور استنشاق کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور سفیانؒ ثوری کا ہے ان حضرات کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق کرنا وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حسنؒ بصری، اور یحیٰؒ بن سعید کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق کرنا سنت ہے۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور عبد اللہ بن المبارکؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق کرنا واجب ہے۔ (۱)

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن دارقطنی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المضمضة والا ستنشاق سنة" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کرنا سنت ہے۔

ان حضرات نے اپنے مسلک پر اس روایت سے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اس روایت میں حضور علیہ السلام نے مضمضہ اور استنشاق کو سنت قرار دیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ

(۱) الکلام المجود ۱۳۲:

وضو میں ان دونوں کا کرنا سنت ہے، اب رہا ان دونوں کا غسل میں فرض ہونا تو یہ آیتِ کریمہ "وان کنتم جنباً فاطھروا" کی بنیاد پر ہے، اس آیت میں اللہ رب العزت نے جنبی کو مبالغہ کے ساتھ پاکی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور غسل کرتے ہوئے حلق وناک کے اندرونی حصہ تک پانی پہچانا مبالغہ ہی کے قبیل سے ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر "عشر من الفطرۃ" والی حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے مضمضہ اور استنشاق کو انسان کی فطری چیزوں میں سے شمار کیا ہے یعنی یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو ہر آدمی عادتاً کرتا ہے اور یہ سب جانتے ہیں جو چیز فطری ہوتی ہے اس کا کرنا واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف مستحسن ہوتا ہے، اور مضمضہ واستنشاق کے متعلق چونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی موجود ہے اس لئے وضو میں ان کا کرنا مسنون و مستحسن ہے۔

مذہب سوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب سوم کے قائلین اپنے اس مسلک پر حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں ،دارقطنی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ارشاد فرماتی ہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فلیتمضمض ولیستنشق "حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے تو اس کو چاہئے کہ مضمضہ اور استنشاق کرے۔ اس روایت سے ان حضرات کا استدلال بایں طور ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو کرنے والے کو صیغۂ امر کے ذریعہ مضمضمہ اور استنشاق کرنے کا حکم دیا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں مضمضمہ اور استنشاق کا کرنا واجب ہے اور جب وضو میں واجب ہے تو غسل میں بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔

جواب (د)

مذکورہ بالا حدیث کو عمرو بن یحیی سے کس کس نے نقل کیا ہے:

مذکورہ بالا حدیث کو حضرت عمر بن یحیی سے حضرت خالدؒ کے علاوہ ان کے ایک دوسرے

شاگرد حضرت مالکؒ نے بھی روایت کیا ہے البتہ ان کی روایت میں "فمضمض واستنشق من کف واحد" کے بجائے "ثم تمضمض واستنشق ثلاثا" کے الفاظ ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹﴾

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْثُرْ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) وضو میں مضمضہ اور استنشاق کرنے کے متعلق ائمہ کے مذاہب بیان کریں (ج) جو فقہاء وضو میں مضمضہ اور استنشاق دونوں کے مسنون ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل تحریر کریں (د) حدیث شریف میں مذکور "فَلْيَجْعَلْ" امر کا صیغہ ہے جس کے حقیقی معنیٰ وجوب کے ہیں پس وجوب سے سنت واستحباب پر محمول کرنے کا کیا قرینہ ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو ناک میں پانی ڈال کر نکالے۔

جواب (ب)

وضو میں مضمضہ اور استنشاق کے متعلق ائمہ کے مذاہب:

وضو میں مضمضہ اور استنشاق کرنے کا کیا حکم ہے اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے تین مذاہب ہیں جن کی مکمل تفصیل سابقہ سوال کے تحت گزر چکی ہے، خلاصہ یہ ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک

مضمضہ اور استنشاق کرنا وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض ہے، اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

جواب (ج)

وضو میں مضمضمہ اور استنشاق کے سنت ہونے کی دلیل:

جو فقہاء وضو میں مضمضمہ اور استنشاق کو سنت قرار دیتے ہیں ان کی دلیل سنن دار قطنی کی روایت ہے، دار قطنیؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المضمضة والاستنشاق سنة" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کرنا سنت ہے۔

جواب (د)

"فلیجعل" امر کے صیغہ سے سنت مراد لینے کا قرینہ:

واضح رہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال میں "فلیجعل" امر کا صیغہ ہے اور امر کے حقیقی معنی وجوب کے آتے ہیں، پس اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرتے ہوئے (کلی کرنا اور) ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے، لیکن جمہور فقہاء کرام کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہاں امر کا یہ صیغہ برائے وجوب نہیں بلکہ برائے استحباب و سنت استعمال ہوا ہے، اور یہاں اس کو استحباب و سنت پر محمول کرنے کا قرینہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دوسری روایت میں "توضأ کما امرک الله" فرما کر وضو کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں وضو کرنے کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں مضمضہ اور استنشاق مذکور نہیں ہے، پس یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ حدیث مذکورہ فی السوال میں "فَلْيَجْعَلْ" صیغہ امر وجوب کیلئے نہیں ہے بلکہ استحباب و سنت کیلئے ہے اگر مضمضہ اور استنشاق کرنا وضو میں واجب ہوتا تو قرآن و حدیث میں ضرور اس کی صراحت کر دی جاتی۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٢٥﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ١٩﴾

عَنْ ثَوْبَانَ: قَالَ: بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سَرِيَّةً فَاَصَابَهُمُ الْبَرْدُ. فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رسولِ اللّٰهِ صلىٰ الله عليه وسلم أَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوْا عَلَى الْعَصَائِبِ وَ التَّسَاخِيْنِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ ومطلب تحریر کریں (ب) عصائب اور تساخین کی تحقیق بھی لکھیں (ج) مسح علی العمامہ کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) حدیث مذکورہ حنفیہ کے موافق ہے یا مخالف اس کی تعیین کریں اور اگر مخالف ہو تو اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا، سریہ والوں کو سردی لگ گئی پس جب یہ لوگ حضور علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو آپ علیہ السلام نے ان کو عمامہ اور خفین پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔

مطلب الحدیث:

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو جہاد کے سفر پر روانہ فرمایا سفر کے دوران ان مجاہدین کو سردی لگ گئی جب یہ مجاہدین حضور علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ منورہ واپس آئے (تو حضور علیہ السلام نے ان کے واقعہ سے باخبر ہو کر) ان کو یہ رخصت دی کہ یہ وضو کرتے ہوئے پیروں کو دھونے کے بجائے خفین پر مسح کر لیں اور سر پر مسح کرنے کے بجائے اپنے عمامے پر مسح کر لیں۔

جواب (ب)

عصائب اور تساخین کی تحقیق:

واضح رہیکہ عصائب، عصابۃ کی جمع ہے اس کے معنی عمامہ کے آتے ہیں۔ اور تساخین،

تسخان کی جمع ہے تسخان اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پیروں کو گرم کیا جاتا ہے، یہاں اس سے مراد خفین ہیں۔

جواب (ج)

مسح علی العمامہ کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

وضو کرتے ہوئے سر کے بالوں ہی پر مسح کرنا ضروری ہے یا عمامے پر بھی کر لینا کافی ہے اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو میں سر کے بالوں ہی پر مسح کرنا ضروری ہے عمامے پر مسح کرنے سے مسح کی فرضیت ادا نہیں ہوگی۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ وغیرہ کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو میں سر کے بالوں ہی پر مسح کرنا ضروری نہیں ہے عمامے پر بھی مسح کرنے سے مسح کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین اپنے مسلک پر قرآن و حدیث دونوں سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ قرآن کریم سے ان حضرات کی دلیل آیت کریمہ " وامسحوا برؤسکم " ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! (وضو میں) اپنے سروں پر مسح کرو، پس معلوم ہوا کہ وضو کرتے ہوئے سر پر مسح کرنا فرض ہے لہذا عمامے پر مسح کرنے سے یہ فرض ادا نہیں ہوگا۔

اور حدیث شریف سے ان حضرات کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہؓ کا اثر ہے، حضرت جابرؓ سے ایک مرتبہ معلوم کیا گیا کہ عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ جائز نہیں ہے

الّا یہ کہ سر کے کچھ بالوں پر مسح ہو جائے، اس روایت سے بھی مذہب اول کے قائلین کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بالکل واضح ہے اور اس بھی یہی معلوم ہوتا ہے وضو کرتے ہوئے سر کو چھوڑ کر عمامے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے مسح کی فرضیت ادا نہیں ہوتی ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے ان حضرات کا بھی اس حدیث سے استدلال کرنا بالکل واضح ہے، حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو عمامہ پر مسح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ وضو میں سر ہی پر مسح کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ عمامہ پر بھی مسح کرنا کافی ہے اور اس بھی مسح کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔

جواب (د)

کیا حدیث مذکورہ فی السوال احناف کے خلاف ہے؟

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث احناف کے مسلک کے خلاف ہے اور احناف کی جانب سے اس حدیث کے بہت سے جوابات دئے گئے ہیں لیکن ان تمام جوابات میں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ روایت، آیت کریمہ "وامسحوا برؤسکم" اور حضور علیہ السلام وصحابہ کرام کے اکثری عمل کے معارض ہے، اس لئے جمہور فقہاء نے اس روایت کو متروک العمل قرار دیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲٦﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۲۰﴾

أَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلم، فَذَكَرَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ، قَالَ: فَأَتَيْنَا النَّاسَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُصَلِّيْ بِهِمُ الصُّبْحَ، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم أَرَادَ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَمْضِيَ، قَالَ: فَصَلَّيْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم خَلْفَهُ رَكْعَةً فَلَمَّا

سَلَّمَ قَامَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم فَصَلَّی الرَّکْعَةَ الَّتِیْ سُبِقَ بِهَا وَلَمْ يَزِدْعَلَيْهَا شَيْأً، قَالَ أَبُوْدَاؤدَ: أَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُوْنَ مَنْ أَدْرَکَ الْفَرادَمِنُ الصَّلوٰةِ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے خفین پر مسح کے باب کے تحت ذکر کیا ہے آپ فذکر ہذہ القصہ کی تفصیل بیان کریں (ج) صاحب کتاب قال ابوداؤدؒ سے کیا بتانا چاہتے ہیں اس کی تفصیل کرتے ہوئے مسبوق پر سجدہ سہو لازم کرنے والوں کی دلیل اور وجہ دلیل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک سفر میں) حضور علیہ السلام (ساتھیوں سے) پیچھے رہ گئے اور پھر (حضرت مغیرہؓ نے) حضور علیہ السلام کے پیچھے رہ جانے کا مکمل قصہ ذکر کیا اور اس کے بعد بیان کیا کہ جب ہم لوگوں کے پاس پہنچے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف ان کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، جب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضور علیہ السلام کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ سے نماز پڑھاتے رہنے کا حکم فرمایا (حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ) میں نے اور حضور علیہ السلام نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپؐ نے وہ رکعت ادا کی جو حضرت عبدالرحمٰنؓ پہلے پڑھا چکے تھے آپ علیہ السلام نے اس رکعت پر کچھ زیادتی نہیں فرمائی، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعیدؓ خدری، حضرت ابن زبیرؓ، اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے ساتھ طاق رکعت پالے (مثلاً ایک یا تین رکعت) تو وہ سہو کے دو سجدے کرے۔

جواب (ب)

فذکر هذه القصة کی تفصیل:

حدیث شریف میں مذکور ''فذکر هذه القصة'' سے وہ واقعہ مراد ہے جو سنن ابی داؤد

میں اس سے پہلی روایت کے اندر بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام غزوۂ تبوک کیلئے تشریف لے گئے تو دوران سفر ایک دن صبح کے وقت حضور علیہ السلام کو استنجاء کی ضرورت پیش آئی چنانچہ آپ علیہ السلام ساتھیوں کی قطار سے الگ ہوئے حضرت مغیرہؓ نے جب آپؐ کو الگ ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی آپؐ کے ساتھ الگ ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں سے الگ ہونے کے بعد کچھ دور فاصلے پر تشریف لے گئے اور وہاں استنجاء فرما کر واپس تشریف لائے، حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کو چمڑے کے ایک برتن سے وضو کرایا، آپؐ نے وضو کرتے ہوئے جب ہاتھوں کو دھونے کا ارادہ کیا تو آستینیں تنگ ہونے کی وجہ سے آپؐ ان کو اوپر نہ چڑھا سکے چنانچہ آپؐ نے ہاتھوں کو جبہ کے نیچے سے نکال کر دھویا اور اس وضو میں آپؐ نے اپنے خفین پر مسح فرمایا اور پھر ہم وہاں سے قافلے کے پاس واپس آ گئے، جب ہم قافلے کے پاس پہنچے تو فجر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ یہ تھی ’’ فذکر هذه القصه ‘‘ کی مکمل تفصیل اور اس سے آگے کی تفصیل خود مذکورہ فی السوال روایت میں موجود ہے۔

جواب (ج)

قال ابوداوٗدؒ سے مصنف سے کیا بتانا چاہتے ہیں:

قال ابوداوٗدؒ سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابن عمرؓ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ اس حال میں شرکت کی کہ امام نماز کی کچھ رکعتیں پڑھا چکا تھا تو اب اگر اس شخص کو امام کے ساتھ طاق رکعت مثلاً ایک یا تین مل گئی تو اس پر نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدۂ سہو کرنا واجب ہے، اور اس پر سجدۂ سہو کے لازم ہونے کی وجہ حضرت مولانا خلیلؒ احمد صاحب سہارنپوری کے بقول یہ ہے کہ مسبوق جب امام کے ساتھ قاعدۂ اخیرہ میں بیٹھتا ہے تو بے موقع جلوس کرتا ہے جس سے اس کی نماز میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے اس نقصان کی تلافی کیلئے اس پر یہ حضرات سجدۂ سہو کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ مسبوق پر سجدۂ سہو لازم کرنے کا یہ مسلک صرف انہی مذکورہ بالا صحابہ کرام کا ہے ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے یہ مسلک منقول نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۷﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۱﴾

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يَسْأَلُ بِلَالاً عَنْ وضُوْءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ: كَانَ يَخْرُجُ يَقْضِيْ حَاجَتَهُ فَاٰتِيْهُ بِالْمَاءِ فَيَتَوَضَّأُ وَيَمْسَحُ عَلٰى عِمَامَتِهٖ وَمُوْقَيْهِ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) موق کس کو کہتے ہیں سوچ کر تحریر کریں (ج) مسح علی الخفین کے متعلق امام مالکؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) مسح علی العمامۃ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت بلالؓ سے حضور علیہ السلام کے وضو کا حال معلوم کیا تو حضرت بلالؓ نے ارشاد فرمایا کہ حضور علیہ السلام پہلے قضاء حاجت کیلئے تشریف لے جاتے جب وہاں سے آتے تو میں پانی لاتا آپ علیہ السلام وضو کرتے اور عمامے اور خفین پر مسح فرماتے۔

جواب (ب)

موق کس کو کہتے ہیں:

موق اس کپڑے یا موزہ کو کہتے ہیں جو خفین پر ان کی حفاظت کیلئے پہنا جاتا ہے چنانچہ حاشیہ ابی داؤدؒ میں ہے "ما یلبس فوق الخفین لحفظه" موق اس کو کہتے ہیں جو خفین پر ان کی حفاظت کیلئے پہنا جائے، اس کے برخلاف حضرت علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں موق چمڑے

کے اس موزے کو کہتے ہیں جس کی ساق (یعنی پنڈلی) چھوٹی ہوتی ہے۔

واضح رہیکہ حضرت علامہ خطابیؒ کی اس تعریف کے اعتبار سے موق خفین ہی کی ایک قسم کا نام ہے جبکہ پہلی تعریف کے اعتبار سے موق خفین سے الگ خفین کی حفاظت کرنے والے کپڑے کا نام ہے۔

جواب (ج)

مسح علی الخفین کے متعلق حضرت امام مالکؒ اور أئمہ ثلاثہ کے مذاہب:

واضح رہیکہ خفین پر مسح کرنا اس امت کے خصائص میں سے ہے جو تمام أئمہ کرام اور فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور اس کے جواز پر احادیثِ مشہورہ ومتواترہ موجود ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک سے لیکر آج تک پوری امت کا اس کے جائز ہونے پر اتفاق ہے، چنانچہ حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''أجمع من یعتد بہ فی الاجماع علی جواز المسح علی الخفین فی السفر و الحضر '' (شریعت میں جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے وہ سب سفر اور حضر میں خفین پر مسح کرنے کے جواز پر متفق ہیں، حضرت امام حسنؒ بصری فرماتے ہیں ''حدثنی من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یمسح علی الخفین '' مجھ سے (تقریباً) ستر صحابہؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفین پر مسح فرمایا کرتے تھے، نیز آپؒ ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں ''أدرکت سبعین بدریا من الصحابۃ کلھم یری المسح علی الخفین '' میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخفین کے جواز کا قائل پایا ہے، اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ بن حنبل سے بھی مسح علی الخفین کے جواز پر اتفاق منقول ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ مسح علی الخفین کے جواز کے قائل نہیں تھے لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے جیسا کہ علامہ باجی مالکیؒ نے اس کی صراحت کی ہے نیز خود حضرت امام مالکؒ کی کتاب ''الموطاء'' بھی اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایت غلط ہے اور امام مالکؒ مسح علی الخفین کے جواز کے قائل ہیں۔

اب رہی مسح علی الخفین کے جواز پر ان ائمہ کے دلیلیں تو وہ تمام احادیث جن میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ سے خفین پر مسح کرنا مذکور ہے ان حضرات کی دلیلیں ہیں انہی میں سے ایک دلیل مذکورہ فی السوال حدیث بھی ہے اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام خفین پر مسح فرماتے تھے۔

جواب (د)

مسح علی العمامہ کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ائمہ ثلاثہ کے مذاہب:

مسح العمامہ کے متعلق فقہاء کرام کے مذاہب اور دلائل کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے خلاصۃ عرض ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک وضو کرتے ہوئے صرف عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے مسح کی فرضیت ادا نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف حضرت امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے اور اس سے مسح کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۱﴾

عَنْ خُزَيْمَةَ بْنَ ثَابِتٍ. عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ. قَالَ اَبُوْدَاوُدَؒ: رَوَاهُ مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمَرِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ بِاِسْنَادِهٖ قَالَ: فِيْهِ وَلَوْ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) مسح علی الخفین کی توقیت کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں اور احناف کی جانب سے فریق مخالف کی دلیل کا جواب بھی تحریر کریں (د) قال ابوداؤدؒ کا مقصد تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت خزیمہؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

مسح علی الخفین (کی مدت) مسافر کیلئے تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو منصورؒ بن معتمر نے ابراہیمؒ التیمی سے اسی سند سے نقل کیا ہے اور اس میں ہے کہ اگر ہم آپ علیہ السلام سے زیادہ مدت مانگتے تو آپ زیادہ دے دیتے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

مذکورہ فی السوال حدیث میں مقیم اور مسافر دونوں کیلئے خفین پر مسح کرنے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ صحابی رسول حضرت خزیمہؓ بن ثابت ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کیلئے خفین پر مسح کرنے مدت تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات مقرر کی ہے یعنی مسافر آدمی ایک مرتبہ خفین پہن لینے کے بعد ان پر تین دن تین رات تک مسح کرسکتا ہے اور مسافر آدمی ایک دن ایک رات مسح کرسکتا ہے، اس کے بعد ان پر مسح کرنے کیلئے ان کو اتار کر دوبارہ باوضو حالت میں پیر دھو کر پہننا ضروری ہے۔

جواب (ج)

مسح علی الخفین کی توقیت کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب اور دلائل:

ایک مرتبہ خفین پہن لینے کے بعد ان پر کتنی مدت تک مسح کیا جاسکتا ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور جمہور فقہاء کرام کا ہے ان حضرات کے نزدیک ایک مرتبہ خفین پہن لینے کے بعد ان پر مسافر کیلئے تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات مسح کرنا جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور لیث بن سعد کا ہے ان حضرات کے نزدیک

خفین پرمسح کرنے کی مسافرومقیم کسی کیلئے بھی کوئی مدت متعین نہیں ہے ہرآدمی خواہ مقیم ہو یا مسافر ایک مرتبہ خفین پہن کر جب تک چاہے ان پرمسح کرسکتا ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں صراحتاً حضور علیہ السلام کا ارشاد مذکور ہے ''المسح علی الخفین للمسافر ثلٰثة أیام وللمقیم یوم ولیلة ''خفین پرمسح کرنے کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ہے، اس حدیث سے ان حضرات کا استدلال بالکل واضح ہے، حدیث شریف میں صراحت کیساتھ مسافر ومقیم دونوں کیلئے خفین پرمسح کرنے کی مدت متعین کردی گئی ہے پس ان دونو ں کیلئے ایک مرتبہ خفین پہن کرصرف اسی مدت تک ان پرمسح کرنا جائز ہے، اس سے زائد جائز نہیں ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مسافر ومقیم دونوں کیلئے مسح علی الخفین کی مدت کی تعیین کے بعد صحابیؓ کا یہ ارشاد مذکور ہے'' ولو استزدناہ لزدنا ''اگر ہم حضور علیہ السلام سے خفین پرمسح کیلئے مزید مدت طلب کرتے تو آپ علیہ السلام ہمیں عطا فرمادیتے، مذہب دوم کے قائلین نے صحابیؓ کے اس ارشاد سے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ صحابیؓ کا یہ جملہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسافر ومقیم کیلئے خفین پرمسح کرنے کی جو مدت متعین کی ہے یہ کوئی حتمی مدت نہیں ہے بلکہ اس میں زیادتی بھی ہوسکتی ہے، اور اگر خفین پرمسح کیلئے متعین کردہ یہ مدت حتمی ہوتی تو صحابیؓ ہرگز کوئی ایسا جملہ ارشاد نہ فرماتے جس سے اس مدت میں مزید زیادتی کا احتمال پیدا ہوتا، اب رہا یہ سوال کہ اس مدت میں اور کتنی زیادتی ہوسکتی ہے تو اس کا جواب یہ کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق طحاوی شریف میں خود حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے'' امسح ما بدألک ''جتنی مدت تک تم چاہو خفین پرمسح کرسکتے ہو، پس معلوم ہوا کہ خفین پرمسح کرنے کیلئے مسافر ومقیم کسی کیلئے

بھی کوئی مدت متعین نہیں ہے اور وہ مدت جو روایت میں بیان کی گئی ہے وہ حتمی نہیں ہے۔

مذہب دوم کی دلیل کا جواب:

مذہب دوم کے قائلین نے خفین پر مسح کرنے کیلئے کسی مدت کے متعین نہ ہونے پر جن احادیث سے استدلال کیا ہے احناف کی جانب سے ان کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں ان جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جس روایت میں صحابیؓ کے الفاظ ''ولو استزدناه لزدنا'' مذکور ہیں یہ روایت ضعیف ہے، چنانچہ علامہ زیلعیؒ، علامہ ابن دقیق العیدؒ نے اس روایت میں ان الفاظ کی زیادتی کو غیر صحیح قرار دیکر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور رہی وہ روایت جس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد'' امسح ما بدألک'' مذکور ہے تو یہ بھی ضعیف ہے اور امام ابوداؤدؒ نے بھی ''وقد اختلف فی اسناده ولیس هو با لقوی ''فرما کر اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، پس مسح علی الخفین کی مدت کے متعلق صحیح روایات کے مقابلہ میں ان ضعیف روایات سے استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ خفین پر مسح کرنے کوئی مدت متعین نہیں ہے صحیح نہیں ہے۔

جواب (د)

قال ابوداوٗدؒ کا مقصد:

قال ابو داوٗدؒ سے صاحب کتاب کا مقصد راوی حدیث حضرت ابو عبد اللہ الجدلیؒ کے شاگردوں کے اختلاف روایت کو بیان کرنا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اس حدیث کو حضرت ابرھیم نخعیؒ تو اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کی ہے اس کے برخلاف منصور بن معتمر بھی اس روایت کو ابراھیم التیمیؒ سے اسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایت میں ''ولو استزدناه لزدنا'' کے الفاظ زائد ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۲۹﴾
﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۱﴾

عَنْ اَبِیْ قَیْسٍ الاودی هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَرْوَانَ عَنْ هُزَیْلِ بْنِ شُرَحْبِیْلَ عَنْ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰه علیه وسلم تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَی الْجَوْرَبَیْنِ وَالنَّعْلَیْنِ.قال أبو داؤدؒ: کَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍ لَایُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ لِأَنَّ الْمَعْرُوْفَ عَنْ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِی صلی اللّٰه علیه وسلم مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) جوربین کی تحقیق کرتے ہوئے ان پر مسح کے متعلق ائمہ کے مذاہب تحریر کریں (ج) قال ابوداؤدؒ کا مقصد بیان کریں (د) حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی کی جرح کے بعد ایسی حدیث کو کس نام سے یاد کیا جاتا ہے تحریر کریں، نیز حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے سوچ کر لکھیں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوقیس الاودیؒ (جن کا نام عبدالرحمٰن بن ثروان ہے) حضرت ھزیلؒ بن شرحبیل سے اور وہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور (اپنے) جرابوں اور جوتوں پر مسح فرمایا، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؒ بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے (اس لئے کہ یہ حدیث بایں الفاظ منکر ہے) جبکہ حضرت مغیرہؓ سے مشہور روایت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے موزوں پر مسح کیا ہے۔

جواب (ب)

جوربین کی تحقیق اور ان پر مسح کے متعلق ائمہ کے مذاہب:

جورب، سوت یا اون کے موزے کو کہتے ہیں، اگر ایسے موزوں پر دونوں طرف چمڑا ہو تو

اس کو "مجلد" کہتے ہیں اور اگر صرف نیچے کے حصہ میں چمڑا ہو تو اس کو "منعل" کہتے ہیں اور اگر پورے موزے ہی چمڑے کے ہوں تو ان کو "خفین" کہتے ہیں، پس موزوں کی کل پانچ قسمیں ہیں (۱) خفین۔ (۲) جوربین مجلدین (۳) جوربین منعلین (۴) جوربین رقیقین۔ (۵) جوربین ثخینین۔ ان پانچوں اقسام میں پہلی تین قسموں پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے اور چوتھی قسم پر بالاتفاق جائز نہیں ہے اور پانچویں قسم کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ائمہ کے دو مذاہب ہیں........

مذہب اول:

حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک جوربین ثخینین پر تین شرطوں کے ساتھ مسح کرنا جائز ہے (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پیر تک نہ پہنچے (۲) پیر پر بغیر باندھے خود بخود رک جائیں (۳) انہیں پہن کر لگاتار چلنا ممکن ہو، پس اگر یہ تین شرائط موجود ہیں تو ان حضرات کے نزدیک جوربین ثخینین پر مسح کرنا جائز ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے آپ کے مشہور قول کے مطابق جوربین ثخینین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، لیکن صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع الصنائع نے نقل کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے آخر میں اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ اور جمہور کی جانب رجوع فرما لیا تھا، پس اب جوربین ثخینین پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے۔

جواب (ج)

قال ابوداؤدؒ کا مقصد:

یہاں قال ابو داؤدؒ سے صاحب کتاب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ احادیث کی جرح وتعدیل کے مشہور امام حضرت عبدالرحمٰنؒ بن مہدی، حضرت مغیرہؓ کی مذکورہ حدیث "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ومسح علی الجوربین والنعلین" کو روایت نہیں کرتے تھے آپ کو اس حدیث کی صحت میں تردد تھا اور اس تردد کی وجہ یہ تھی حضور علیہ السلام کے وضو کے

متعلق حضرت مغیرہؓ سے جو روایت مشہور ہے اس میں ''مسح علی الجوربین و النعلین'' کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ '' مسح علی الخفین '' کے الفاظ ہیں، پس اس لئے حضرت عبدالرحمٰن ابن مہدیؒ اس روایت کو بیان نہیں کرتے تھے۔

جواب (د)

عبدالرحمٰنؒ بن مہدی کی جرح کے بعد ایسی حدیث کو کس نام سے یاد کرتے ہیں:

جس حدیث پر حضرت عبد الرحمٰن بن مہدیؒ جرح کر دیتے ہیں اس حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں منکر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے:

واضح رہے کہ حضرت امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر'' ھذا حدیث حسن صحیح '' کا حکم لگایا ہے، لیکن بقول صاحب منہل یہ امام ترمذیؒ کا تسامح ہے کیونکہ محدثین کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۰﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۲۱﴾

عَنْ أَبِیْ قَیْسٍ الْاَوْدِیِّ عَنْ هُزَیْلٍ عَنْ الْمُغِیْرَةِؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ علیه وسلم تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلیٰ الْجَوْرَبَیْنِ والنَّعْلَیْنِ، قَالَ أَبُوْ دَاوٗدَ: کَانَ ابْنُ مَهْدِی لَا یُحَدِّثُ بِهٰذا الْحَدِیْثِ لِأَنَّ الْمَعْرُوْفَ عَنْ الْمُغِیْرَةِؓ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰهُ علیه وسلمَ مَسَحَ عَلی الْخُفَّیْنِ وَرُوِیَ هذا أَیْضاً عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلی اللّٰهُ علیه وسلمَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلی الْجَوْرَبَیْنِ، وَلَیْسَ بِالْمُتَّصِلِ وَلاَ بِالْقَوِیِّ، وَمَسَحَ عَلی الْجَوْرَبَیْنِ عَلِیٌّ وَابْنُ مَسْعُوْدٍؓ وَالْبَرَاءُ وَأَنَسٌؓ وَأَبُوْ أُمَامَةَ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَعَمْرُو بْنُ حُرَیْثٍ وَرُوِیَ ذٰلِکَ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ابن مہدیؒ کے اس حدیث کو بیان نہ کرنے کی وجہ بیان کریں (ج) نیز بتائیں کہ حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیث ذکر کر کے اس پر کلام کرنا کس غرض سے ہے (د) اس مسئلہ میں صحابہؓ کا نام کس لئے ذکر کیا گیا وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا اور (اپنے) جرابوں اور جوتوں پر مسح فرمایا۔

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اس حدیث کو روایت نہیں کرتے تھے اور مشہور (روایت) حضرت مغیرہؓ سے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے موزوں پر مسح کیا (ہے) اور حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی یہی روایت کہ حضور علیہ السلام نے جرابوں پر مسح کیا (ہے) مگر نہ اس (حدیث) کی سند متصل ہے اور نہ یہ قوی ہے۔

اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوامامہؓ، حضرت سہلؓ بن سعد، اور حضرت عمرؓ بن حریث نے بھی جوربین پر مسح کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے کہ انہوں نے بھی جوربین پر مسح کیا ہے۔

جواب (ب)

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کے اس حدیث کو بیان نہ کرنے وجہ:

واضح رہے کہ جرح وتعدیل مشہور امام محدث کبیر حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اس مذکورہ فی السوال حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے اور آپؒ کے بیان نہ کرنے وجہ یہ تھی کہ آپؒ کو اس حدیث کی صحت میں تردد تھا اس لئے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی مشہور روایت میں حضور علیہ السلام کے جوربین پر مسح کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ خفین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، اس

کے بخلاف اس حدیث میں جوربین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، پس بایں وجہ حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی کو اس حدیث کی صحت میں تردد تھا اور آپؒ اس حدیث کو روایت نہیں کرتے تھے۔(۱)

جواب (ج)

حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیث ذکر کر کے اس پر کلام کرنا کس لئے ہے؟

واضح رہیکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کے اس پر کلام کرنا سند کے اعتبار سے اس کے ضعیف ہونے کو بیان کرنے کیلئے ہے، گویا حضرت امام ابوداؤدؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مسح علی الجوربین کے متعلق ایک روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی بھی ہے لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے، اور اس روایت کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں عیسیٰ بن سنان نامی راوی ضعیف ہے۔

جواب (د)

اس مسئلہ میں صحابہؓ کا نام کس لئے ذکر کیا گیا ہے؟

اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا نام مسح علی الجوربین کے جواز کو ثابت کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۲﴾

عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ كَانَ يَمْسَحُ عَلى الْخُفَّيْنِ وَقَالَ غَيْرُ مُحَمَّدٍ: عَلىٰ ظَهْرِ الْخُفَّيْنِ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) حدیث شریف میں مذکور مسئلہ میں فقہاء کرام کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) نیز معلول کی تعریف بھی بیان کریں۔

---

(۱) الدر المنضود ١/ ٢٩٩.

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام خفین پر مسح فرماتے تھے اور محمد بن الصلاح کے علاوہ (رواۃ) نے بیان کیا ہے کہ (حضور علیہ السلام) خفین کی پشت پر مسح کرتے تھے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

مذکورہ فی السوال حدیث شریف کا مطلب ترجمہ سے بالکل واضح ہے، اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت اگر خفین پہنے ہوئے ہوتے تو ان پر مسح فرمایا کرتے تھے، لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام خفین کے کس حصہ پر مسح کرتے تھے تو اس کا جواب یہ کہ آپؐ خفین کی پشت پر مسح کرتے تھے جیسا کہ اس روایت کے روای محمد بن الصلاح کے علاوہ اکثر رواتِ حدیث نے بیان کیا ہے، صرف محمد بن الصلاح ایک ایسے روای ہیں جنہوں نے اپنی روایت میں ''کان یمسح علی ظهر الخفین'' ذکر نہ کرکے ''یمسح علی الخفین'' ذکر کیا ہے جس سے مذکورہ بالا سوال پیدا ہوتا ہے۔

جواب (ج)

خفین کے کس حصہ پر مسح کیا جائے گا فقہاء کے مذاہب اور دلائل:

یہ تو ثابت ہے کہ وضو کرتے وقت اگر پیروں پر خفین ہوں تو ان پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے لیکن مسح خفین کے کس حصہ پر کیا جائے گا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ بن حنبل، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ کا ہے

ان حضرات کے نزدیک وضو میں خفین کے صرف ظاہری حصہ پر مسح کیا جائے گا نیچے کے حصہ پر مسح کرنا ضروری نہیں ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو میں خفین کے اوپر اور نیچے دونوں حصوں پر مسح کیا جائے گا، پھر حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تو خفین کے اوپر، نیچے دونوں جانب مسح کرنا واجب ہے جبکہ امام شافعی خفین کے اوپر کے حصہ پر مسح کو واجب اور نیچے کے حصہ پر مسح کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین اپنے مسلک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں سنن ابی داؤد میں حضرت علیؓ نے منقول ہے ارشاد فرماتے ہیں ''**رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یمسح علیٰ ظاهر خفیه** ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خفین کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس روایت سے مذہب اول کے قائلین کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بالکل واضح ہے اس روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے خفین کے ظاہری حصہ پر مسح فرماتے تھے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں خفین کے صرف ظاہری حصہ مسح کیا جائے گا نیچے کے حصہ پر مسح نہیں کیا جائیگا۔(۱)

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے بھی اپنے مسلک پر سنن ابی داؤدؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے ابوداؤد میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں ''**توضأتُ النبی صلی الله علیه وسلم فی غزوة تبوک فمسح أعلی الخفین و أسفلهما** ''میں نے حضور علیہ السلام کو غزوۂ تبوک کے موقع پر وضو کرایا تو آپ علیہ السلام نے خفین کے اوپر نیچے مسح فرمایا (تھا) اس روایت سے ان حضرات کا استدلال بھی بالکل واضح ہے روایت میں صراحت

(۱) الدر المنضود ۱/۱۰۳۔

کے ساتھ حضور علیہ السلام کا خفین کے اوپر، نیچے دونوں جانب مسح کرنا مذکور ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے وضو میں خفین کے دونوں جانب مسح کرنا ضروری ہے۔

لیکن مذہب اول کی جانب سے اس روایت کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جناب حضور علیہ السلام نے اس موقع پر مسح تو خفین کے اوپر ہی کیا تھا اور نیچے ویسے ہی ہاتھ پھیر لیا تھا جسکو راوی نے مسح گمان کرلیا حالانکہ یہ مسح نہیں تھا۔(۱)

جواب (د)

معلول کی تعریف:

واضح رہے کہ معلول اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند یا متن میں کوئی علت قادحہ پائی جائے خواہ اس کے تمام رجال ثقات ہی کیوں نہ ہوں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۲﴾

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ اخبرنا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الْحَكَمِ الثَّقَفِيِّ أو الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلمَ اِذَا بَالَ يَتَوَضَّأُ وَيَنْتَضِحُ. قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: وَافَقَ سُفْيَانَ جَمَاعَةٌ عَلٰى هَذَا الاِسْنَادِ وقَالَ بَعْضُهُمْ اَلْحَكَمُ أو اِبْنُ الْحَكَم۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور بتائیں کہ انتضاح کے کتنے معنی ہیں اور یہاں کیا مراد ہیں، مرادی معنی کا تعین کسی حدیث سے کریں (ب) قال ابوداؤدؒ کا مقصد تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت سفیانؓ بن حکم یا حکمؓ بن سفیان سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں جب نبی کریم

(۱) السمح المحمود: ۱/۴۰۵.

صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرماتے تو وضو کرتے اور چھینٹیں مارتے تھے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس سند میں سفیان کی موافقت کی ہے اور بعض نے حکم یا ابن حکم کہا ہے۔

انتضاح کے معانی:

لفظ ''انتضاح'' نضح سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی چھینٹیں مارنے کے آتے ہیں، لیکن اصطلاح میں یہ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ امام نوویؒ اس سے استنجاء بالماء مراد لیتے ہیں، جب کہ بہت سے علماء ''صب الماء علی الأعضاء'' وضو کے اعضاء پر پانی کا بہانا مراد لیتے ہیں، لیکن اکثر علماء نے اس سے وضو کے بعد زیر جامہ پر پانی کی چھینٹیں مارنا مراد لیا ہے اور یہاں اس کے یہی معنی مراد ہیں جیسا کہ اس کی تائید درج ذیل اس روایت سے بھی ہوتی ہے'' أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بال ثم توضأ ونضح فرجہ ''حضور علیہ السلام نے پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور اپنے زیر جامہ پر پانی چھینٹیں ماری، پس اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث میں لفظ ''ینتضح'' سے زیر جامہ پر پانی کی چھینٹیں مارنا مراد ہے۔ واضح رہے کہ وضو کرنے کے بعد زیر جامہ پر پانی کی چھینٹیں مارنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے قطرات کے نکلنے کا وسوسہ نہیں رہتا ہے۔

جواب (ب)

قال ابوداؤدؒ کا مقصد:

قال ابوداؤدؒ سے مصنفؒ کا مقصد مذکورہ فی السوال حدیث کی سند میں رواۃ کے اختلاف کو بیان کرنا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس حدیث کی سند میں حکمؒ بن سفیان کے بعد عن ابیہ کا اضافہ کیا ہے اور بعض نے یہ اضافہ نہیں کیا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حکمؒ ابن سفیانؒ کے بعد عن ابیہ کا واسطہ ذکر نہ کرنے میں رواۃ کی ایک جماعت نے حضرت سفیانؒ ثوری کا ساتھ دیا ہے اور انہوں نے بھی اس واسطہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۳﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۳﴾

حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلمَ قَدْ تَوَضَّا وَتَرَكَ عَلٰى قَدَمِهٖ مِثْلَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلمَ اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوْءَ كَ. قَالَ اَبُوْ دَاؤدَؒ: هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِمَعْرُوْفٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ وَلَمْ يَرْوِهِ اِلَّا اِبْنُ وَهْبٍ وَحْدَهُ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) موالاۃ فی الوضو کے متعلق أئمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (ج) قال ابوداؤدؒ کا مقصد واضح کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت أنسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے وضو کر رکھی تھی اور اپنے پیر پر ایک ناخن کی برابر جگہ (وضو میں دھونے سے) چھوڑ رکھی تھی آپ علیہ السلام نے (اس سے) ارشاد فرمایا کہ لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ جریرؒ بن حازم سے یہ روایت معروف نہیں ہے اس کو صرف ابن وہبؒ نے روایت کیا ہے۔

جواب (ب)

موالاۃ فی الوضو میں أئمہ کے مذاہب اور دلائل:

وضو میں موالاۃ اختیار کرنا یعنی اعضاء وضو کو لگاتار دھونا شرعی اعتبار سے واجب ہے یا سنت اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک وضو میں موالاۃ اختیار کرنا یعنی اعضاء وضو کو لگاتار دھونا سنت ہے لہذا

اگر کسی نے وضو کرتے ہوئے ایک عضو خشک ہونے کے بعد دوسرا عضو دھویا تو وضو صحیح ہو جائے گا ،اس لئے کہ موالاۃ فی الوضوء صرف سنت ہے اور ترک سنت سے وضو باطل نہیں ہوتا ہے البتہ عمداً وضو کرنے والے کیلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک وضو میں موالاۃ اختیار کرنا فرض ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ اس بات کے قائل ہیں کہ وضو میں موالاۃ کی فرضیت دو شرطوں کے ساتھ ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والے کو موالاۃ یاد ہو اور دوسری یہ ہے کہ وہ موالاۃ سے عاجز نہ ہو۔(۱)

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر آیت وضو سے استدلال کیا ہے، اور استدلال بایں طور کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت میں وضو کیلئے صرف اعضاء کو دھونے اور سر پہ مسح کرنے کا حکم دیا ہے اس میں کہیں بھی موالات کا ذکر نہیں ہے، لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں صرف اعضاء کو دھولینا اور سر پہ مسح کرنا فرض ہے موالات فرض نہیں ہے، البتہ حضور علیہ السلام کے وضو میں اس پر مواظبت فرمانے کی وجہ سے سنت ضرور ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان صحابی کو جن کے پیر کا کچھ حصہ وضو میں دھلنے سے رہ گیا تھا واپس لوٹایا ہے اور ''فأحسن وضوءک ''فرما کر انہیں احسان فی الوضو کی تعلیم دی ہے، لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں موالات کا اختیار کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام ان صحابی کو صرف پیر کے سوکھے حصہ کو دھونے کا حکم فرما دیتے احسان فی الوضو کی تعلیم نہ دیتے۔

---

(۱) الدر المنضود ۱/۳۰۹.

جواب (ج)

قال ابوداوٗدؒ کا مقصد:

واضح رہے کہ قال ابوداوٗد سے حضرت امام ابوداوٗدؒ اس حدیث کو سند کے اعتبار سے منکر قرار دے رہے ہیں اور منکر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ جریر بن حازمؒ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے روای ابن وہبؒ منفرد ہیں پس اس تفرد کی بنیاد پر یہ حدیث منکر ہے (یعنی غیر معروف) ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۴﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۲۴﴾

عَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ قَبَّلَهَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. قَالَ أَبُوْدَاوُدَؒ: وَهُوَ مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيْمُؒ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَؓ شَيْئاً۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) نیز بتائیں کہ امام ابوداوٗد کا اس روایت کو مرسل کہنے کا کیا مطلب ہے جب کہ صحابیؓ کا نام مذکور ہے (ج) امام ابوداوٗدؒ کے قول کی وضاحت کریں اور اس سے احناف کے مذہب پر اگر کوئی اثر واقع ہوتا ہو تو اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوسہ لیا اور وضو نہیں فرمایا، حضرت امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اور حضرت ابراھیمؒ التیمی نے حضرت عائشہؓ سے کچھ بھی نہیں سنا ہے۔

جواب (ب)

امام ابوداوٗدؒ نے اس روایت کو مرسل کیوں کہا ہے؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا کہ حضرت امام ابوداوٗدؒ نے صحابیؓ کا نام مذکور ہونے کے باوجود

اس روایت کو مرسل کہا ہے حالانکہ مرسل اس روایت کو کہا جاتا ہے جس میں صحابی کا نام مذکور نہیں ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جناب یہاں مرسل سے مرسل لغوی یعنی منقطع مراد ہے اور امام ابوداوٗدؒ نے اس روایت کو اسی معنی کے اعتبار سے مرسل کہا ہے کیوں کہ ابراھیمؒ التیمی تابعی اور ثقہ ہیں اور ثقہ تابعی کی منقطع حدیث محدثین کے نزدیک مرسل ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔

جواب (ج)

قال ابوداوٗدؒ کی وضاحت:

قال ابوداوٗدؒ سے مصنفؒ کا مقصد مذکورہ فی السوال حدیث کی سند پر اعتراض کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے اس لئے اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے بایں طور کہ راویٔ حدیث ابراھیم التیمیؒ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے پس ان کے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک واسطہ محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث سند کے اعتبار سے منقطع ہے۔

کیا امام ابوداوٗدؒ کی مذکورہ جرح سے مذہبِ احناف پر اثر پڑتا ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت امام ابوداوٗدؒ کی مذکورہ جرح سے احناف کے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احناف ثقہ تابعین کی منقطع روایات کو مراسیل کے درجہ میں شمار کرتے ہیں اور ابراھیم التیمیؒ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں لہٰذا ان کی یہ روایت بھی عندالاحناف مرسل کے درجہ میں ہے اور مراسیل احناف کے یہاں بلاتردد قابل حجت ہیں، پس یہ روایت بھی احناف کے نزدیک قابل حجت ہے امام ابوداوٗدؒ کی اس مذکورہ جرح سے احناف کے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۵﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۲۴﴾

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ. قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ. عَنِ الْأَعْمَشِ. عَنْ حَبِيبٍ. عَنْ عُرْوَةَ. عَنْ عَائِشَةَ. أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. قَبَّلَ امْرَأَةً

(۱) بذل المجهود، بیروت ۲/ ۴۲ تا ۴۳.

مِنْ نِسَائِہٖ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّاء قَالَ عُرْوَۃُ: فَقُلْتُ لَهَا مَنْ هِیَ اِلَّا اَنْتِ فَضَحِکَتْ. قَالَ أَبُوْدَاوُدَ: قَالَ یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدِ الْقَطَّانُ لِرَجُلٍ اِحْکِ عَنِّیْ أَنَّ هٰذَیْنِ الْحَدِیْثَیْنِ یَعْنِیْ حَدِیْثَ الْاَعْمَشِ هٰذا عَنْ حَبِیْبٍ وَحَدِیْثُهٗ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ فِی الْمُسْتَحَاضَةِ اِنَّهَا تتوضأ لِکُلِّ صَلَاۃٍ قَالَ یَحْیٰی اِحْکِ عَنِّیْ اِنَّهُمَا شِبْهٌ لَا شَیْءَ قَالَ أَبُوْدَاوُدٌ وَرُوِیَ عَنِ الثَّوْرِیِّ قال مَا حَدَّثَنَا حَبِیْبٌ اِلَّا عَنْ عُرْوَۃَ الْمُزَنِیِّ یَعْنِیْ لَمْ یُحَدِّثهُمْ عَنْ عُرْوَۃ بن الزُّبَیْرِ بِشَیْئٍ۔

(الف) حدیث شریف کا ترجمہ کریں (ب) مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے میں أئمہ کے مذاہب مدلل تحریر کریں (ج) یحیی بن سعید کی تضعیف حدیث کی وجہ اور سفیان کی روایت کا مطلب بیان کریں (د) حبیب کی روایت عروۃ بن زبیر سے ثابت ہو تو اس کو بیان کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا اور پھر نماز کیلئے نکلے اور وضو نہیں کیا حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ وہ بیوی آپؓ ہی ہوں گی تو حضرت عائشہؓ ہنس پڑیں۔

قال ابوداؤدؒ کا ترجمہ:

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں حضرت یحیی بن سعید نے ایک شخص سے کہا کہ تم مجھ سے یہ بات نقل کرو کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی ایک وہ حدیث جو حضرت حبیب بن ثابت کے واسطے سے مروی ہے اور دوسری وہ حدیث جو اسی سند سے مستحاضہ کے باب میں ہے کہ وہ ہر نماز کیلئے وضو کرے گی (یہ دونوں) ضعیف ہیں امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت حبیب نے عروۃؒ مزنی کے واسطے سے حدیث روایت کی ہے یعنی عروۃؒ ابن الزبیر کے واسطے سے کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے۔

جواب (ب)

مس مرأۃ کے متعلق أئمہ کے مذاہب اور دلائل:

عورت کو چھونا ناقض وضو ہے یا نہیں اس مسئلہ میں أئمہ کے تین مذاہب ہیں...

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک بغیر مباشرت فاحشہ کے عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے، ہاں اگر عورت کو چھونے میں مباشرت فاحشہ پائی جائے تو پھر خروج مذی وغیرہ کے احتمال کی وجہ سے ناقض وضو ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے آپ کے نزدیک بھی اگرچہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے لیکن مس مرأۃ میں اگر تین باتیں پائی جائیں تو پھر ناقض وضو ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ عورت کبیرہ ہو دوسری یہ ہے کہ اجنبیہ ہو تیسری یہ ہے کہ مس بالشہوت ہو، پس ان تین باتوں کے ساتھ مس مرأۃ آپؒ کے نزدیک بھی ناقض وضو ہے۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ کا ہے، آپ کے نزدیک مس مرأۃ خواہ صغیر کا ہو، یا کبیرہ کا، محرم کا ہو یا غیر محرم کا، شہوت سے ہو، یا بغیر شہوت کے، پردہ سے ہو، یا بغیر پردہ کے، ہر حال میں ناقض وضو ہے۔

نوٹ:

واضح رہیکہ مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام احمدؒ بن حنبل سے تین طرح کی روایات منقول ہیں ایک روایت احناف کے مطابق ہے، دوسری امام مالکؒ کے مطابق ہے اور تیسری امام شافعیؒ کے مطابق ہے۔

---

(۱) الدر المنضود ۱/۳۱۳.

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

أئمہ احناف نے اس مسئلہ میں اپنے مذہب پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے اس حدیث میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ عمل مذکور ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ کا بوسہ لیا اور پھر وضو کئے بغیر نماز کیلئے تشریف لے گئے۔

اس حدیث سے احناف نے اپنے مذہب پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی زوجہ مطہرہ کا بوسہ لیا اور بغیر وضو کئے نماز کیلئے تشریف لے گئے اور بوسہ میں مس مرأۃ ہوتا ہی ہے پس حضور علیہ السلام کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے بالفرض اگر یہ ناقض وضو ہوتا تو حضور علیہ السلام بغیر وضو کئے نماز کے لئے تشریف نہ لے جاتے۔

مذہب دوم اور سوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم، وسوم کی دلیل سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ أئمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے کے قائل ہیں پس اس اعتبار سے ان تینوں حضرات کی دلیل مشترک ہے، اور دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں آیت وضو میں ارشاد فرمایا ہے "وان كنتم مرضى او على سفر او جآء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا مآء فتيمموا صعيدا طيبا" اور اگر تم مریض ہو جاؤ یا سفر میں ہو تو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے عورتوں کو چھویا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔

اس آیت سے ان حضرات کا استدلال بایں طور ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے مس مرأۃ کے بعد پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو ہے اگر یہ ناقض وضو نہ ہوتا تو اللہ رب العزت بھی وضو اور تیمّم کا حکم نہ دیتے۔

مذہب دوم اور سوم کی مذکورہ دلیل کا جواب:

احناف مذہب دوم اور سوم کی مذکورہ دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کی پیش کردہ اس

آیت میں ''لمستم النساء'' سے مس مرأۃ بالید مراد نہیں ہے بلکہ اس سے جماع مراد ہے اور جماع کے ناقض وضو اور ناقض غسل ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔

جواب (ج)

یحیٰی بن سعید کی حدیث ضعیف ہونے کی وجہ اور سفیان کی روایت کا مطلب:

واضح رہے کہ حضرت یحیٰی بن سعید کی حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت عروۃؒ نے نقل کیا ہے اور یہاں عروۃؒ سے عروۃؒ بن الزبیر مراد نہیں ہیں بلکہ عروۃؒ المزنی مراد ہیں جو کہ ایک مجہول راوی ہیں۔

اور حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حبیبؒ بن ابی ثابت نے حضرت عروۃؒ ابن الزبیر سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے، گویا آپ نے حبیبؒ بن ابی ثابت کے متعلق یہ ایک ضابطہ بیان کردہ کہ ان کے اساتذۂ حدیث میں عروۃؒ ابن الزبیر نام کے کوئی استاذ نہیں ہیں۔

جواب (د)

حبیبؒ کی روایت کا عروۃؒ ابن الزبیر سے ثبوت ہے یا نہیں؟:

واضح رہیکہ حضرت حبیبؒ کے عروۃؒ بن الزبیر سے احادیث روایت کرنے پر اگرچہ حضرت سفیان ثوریؒ نے اعتراض کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت حبیبؒ بن ابی ثابت کی حضرت عروۃؒ بن الزبیر سے روایت ثابت ہے، چنانچہ خود حضرت امام ابوداوٗدؒ نے '' **وقد روی حمزة الزيات عن حبيب عن عروة بن الزبير عن عائشةؓ حديثاً صحيحا** '' ارشاد فرما کر حضرت سفیان ثوری کے مذکورہ بالا قول کی تردید کی ہے، اور '' **حديثا صحيحا** '' سے اس روایت کو مراد لیا ہے جسے حضرت امام ترمذیؒ نے سنن ترمذی کے ابواب الدعوات میں ذکر کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے '' **أنه عليه السلام كان يقول اللهم عافني في جسدي وعافني في بصري** '' اے اللہ تو میرے بدن اور میری آنکھ میں عافیت عطا فرما۔ حضرت امام ابوداوٗد نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت پر حضرت امام سفیان ثوری کا مذکورہ بالا اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۶﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۴﴾

عَنْ عبدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَکرٍ اَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰی مَرْوَانَ بْنَ الْحَکَمِ فَذَکَرْنَا مَا یَکُوْنُ مَنْهُ الْوُضُوْءُ ،فَقَالَ مَرْوَانُ وَمِنْ مَسِّ الذَّکَرِ فَقَال عُرْوَةُ مَا عَلِمْتُ ذَالِکَ فَقَالَ مَرْوَانُ اَخْبَرَتْنِیْ بُسْرَةُ بِنْتِ صَفْوَانَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهَ صلی اللّٰهِ علیه وسلم یقول: مَنْ مَسَّ ذَکَرَهُ فَلْیَتَوَضَّاء۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مس ذکر کے متعلق ائمہ کے مذاہب مدلل تحریر کریں (ج) اس مسئلہ میں احناف کے مذہب کی وجوہِ ترجیح تحریر کریں۔

جواب الف

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عروۃ ابن الزبیر فرماتے ہیں کہ میں مرون بن الحکم کے پاس گیا اور ہم نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے مروان نے کہا کہ مس ذکر سے بھی (وضو) ٹوٹ جاتا ہے حضرت عروہ نے فرمایا کہ یہ مجھے معلوم نہیں ہے تو مروان نے کہا کہ مجھ سے حضرت بسرہؓ بنت صفوان نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جوشخص اپنے ذکر کو چھوئے وہ وضو کرے۔

جواب (ب)

مس ذکر کے ناقض وضو ہونے میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

مس ذکر ناقض وضو ہے یا نہیں اس مسئلہ میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں.......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا ہے

ان سب حضرات کے نزدیک مس ذکر ناقض وضونہیں ہے پس اگر کسی نے وضو کر لینے کے بعد اپنا ذکر چھولیا تو وہ بغیر وضو کئے نماز ادا کرسکتا ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک مس ذکر خواہ حائل کے ساتھ ہو یا بلا حائل کے مطلقاً ناقض وضو ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر مس ذکر ہتھیلی کے اندرونی حصہ سے بلا کسی حائل کے ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض وضو نہیں ہے، لیکن آپ کی مشہور اور مفتی بہ روایت پہلی ہی ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اس مسئلہ میں اپنے مسلک پر حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، حضرت طلق بن علی ارشاد فرماتے ہیں'' قدمنا على نبي الله صلى الله عليه وسلم فجاء رجل كانه بدوى فقال يا نبي الله ما ترى في مس الرجل ذكره بعد ما يتوضأ فقال (رسول الله) صلى الله عليه وسلم: هل هو الا مضغة منه او بضعة منه'' ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتنے میں ایک شخص آیا جو دیکھنے میں بدو لگتا تھا اس نے معلوم کیا کہ اے اللہ کے نبی (ﷺ) آپ اس شخص کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں جو وضو کر لینے کے بعد اپنے شرم گاہ کو چھولے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ (شرم گاہ) بھی تو تمہارے بدن کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔

اس روایت سے ان حضرات کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بالکل واضح ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے انسان کی شرم گاہ کو انسان کے بدن کا ایک حصہ قرار دیا ہے پس جس طرح بدن کے کسی اور حصہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح ذکر کو چھونے سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ (۱)

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اس مسئلہ میں اپنے مسلک پر ان احادیث وآثار سے

(۱) الكلام المجود شرح موطاء امام محمد ۱۷۴۔

استدلال کیا ہے جن میں مس ذکر کے بعد وضو کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، ان روایات میں سب سے مضبوط روایت سوال میں ذکر کردہ روایت ہے، اس روایت میں صراحت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے ''من مس ذکرہ فلیتوضا'' جو شخص اپنے ذکر کو چھولے اسے چاہئے کہ وضو کرے۔ پس یہ حضرات اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ وضو کے بعد مس ذکر ناقض وضو ہے۔(١)

جواب (ج)

اس مسئلہ میں احناف کے مذہب کی وجوہ ترجیح:

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کی وجوہات ترجیح احادیث کی شروحات میں بہت کثرت سے موجود ہیں ان کی تفصیل سے قطع نظر صرف ایک وجہ ترجیح بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کو لیکر دو احادیث میں تعارض ہو جاتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ پھر قیاس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے پس یہاں بھی حضرت طلق بن علی اور حضرت بسرۃؓ بنت صفوان کی روایات میں تعارض ہے پس یہاں بھی قیاس کی جانب رجوع کیا جائیگا اور قیاس اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے بایں طور کہ انسان کے اعضاء جب کہ ان پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو یہ طاہر ہوتے ہیں ان کو چھونا آدمی کی طہارت پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے اور اعضاء مخصوصہ بھی چونکہ بالاتفاق طاہر ہیں لہذا ان کا چھونا بھی آدمی کی طہارت یعنی وضو وغیرہ پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ٣٧﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ٢٥﴾

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ آخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ وَهٰذَا اِخْتِصَارٌ

(١) الکلام المجود شرح موطاء امام محمدؒ ٧٣١.

مِنَ الْحَدِيْثِ الْاَوَّلِ.

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) وضو مما مست النار کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو تو اس کو بھی تحریر کریں (ج) قال ابو داؤدؒ کی تشریح کریں (د) امام ابو داؤدؒ کے قول پر جو نقد کیا جاتا ہے اس کو بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت جابرؓ سے راویات ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ دونوں امروں میں سے حضور علیہ السلام کا آخر امر مما مست النار کے استعمال کے بعد وضو نہ کرنے کا تھا، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پہلی حدیث کا اختصار ہے۔

جواب (ب)

کیا مما مست النار کے متعلق اختلاف ہے؟:

واضح رہیکہ مما مست النار (یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز) کے کھانے سے وضو کرنا لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں صدرِ اوّل میں کچھ اختلاف تھا بعض صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرۃ حضرت زیدؓ بن ثابت، اور حضرت عبداللہ بن عمرو وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ ''مما مست النار'' کے استعمال کے بعد وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے برخلاف صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل نہیں تھی، لیکن پھر بعد میں تمام صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ مما مست النار کا استعمال موجب وضو نہیں ہے اور اب تمام ائمہ کا بھی اسی پر اتفاق ہے کے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے۔

جواب (ج)

قال ابو داؤدؒ کی تشریح کریں:

واضح رہیکہ یہاں قال ابو داؤدؒ سے امام ابو داؤدؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں حضرت جابرؓ کی یہ

حدیث کوئی مستقل حدیث نہیں ہے بلکہ سابقہ حدیث جو "ابن جریجؒ عن محمد بن المنکدر" کے طریق سے مروی ہے اس کا اختصار ہے اور وہ حدیث یہ ہے "سمعت جابرؓ بن عبد اللہؓ یقول: قربت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خبزاً ولحماً فأکل ثم دعا بوضوء فتوضأ به ثم صلی الظهر، ثم دعا بفضل طعامه فأکل، ثم قام الی الصلوة ولم یتوضأ" حضرت امام ابوداؤدؒ حضرت جابرؓ کی حدیث کو اس حدیث کا اختصار بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث الگ سے کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں۔

جواب (د)

امام ابوداؤدؒ کے قول پر کیا نقد کیا جاتا ہے:

واضح رہیکہ حضرت امام ابوداؤدؒ کے قول پر یہاں یہ نقد کیا جاتا ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث پہلی حدیث کا اختصار ہے ہمیں تسلیم نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ کہ اس حدیث کو پہلی حدیث کا اختصار ماننے کی صورت میں راوی کی جانب وہم کی نسبت لازم آتی ہے حالانکہ کسی راوی کی جانب بلا کسی وجہ کے وہم کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، نیز امام ابوداؤدؒ کے اس قول کو تسلیم نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وقت کے مشہور اور قابل اعتبار ائمہ نے امام ابوداؤدؒ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا ہے چنانچہ حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ ابن ترکمانیؒ وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوداؤدؒ کا اس حدیث کو پہلی حدیث کا اختصار کہنا درست نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں جیسا کہ سیاق حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے پس حضرت امام ابوداؤدؒ کا اس حدیث کو پہلی حدیث کا اختصار قرار دینا صرف ظن پر مبنی ہے اور جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک اس حدیث کے جو معنی ہیں ان کے سراسر خلاف ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۳۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۶﴾

عَنْ أَبِیْ سَلْمَةَ اَنَّ أَبَا سُفْیَانَ بْنَ سَعِیْدِ بْنِ الْمُغِیْرَةِ حَدَّثَهُ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰی اُمِّ حَبِیْبَةَ فَسَقَتْهُ قَدْحاً مِنْ سَوِیْقٍ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ قَالَتْ یَا اِبْنَ اُخْتِیْ اَلا تَوَضَّاءَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰه علیه وسلمَ قَالَ: تَوَضَّاءُوْا مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حدیث میں مذکور مسئلہ میں جمہور فقہاء کرام کا مسلک تحریر کریں، اور یہ بتائیں کہ اس صریح اور صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے جمہور کا مسلک اس کے خلاف کیوں ہے (ج) حدیث شریف کی سند میں ابن اخت اور ابن اخ کے مابین جو تعارض ہے اس کو تحریر کر کے دور کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت سفیان بن سعید سے روایت ہے کہ وہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے ستو کا ایک پیالہ ان کو پلایا پھر حضرت سفیانؒ نے پانی منگا کر کلی کی تو حضرت ام حبیبہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھانجے تم نے وضو کیوں نہیں کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کھانوں کے (کھانے) بعد جو آگ پر پکے ہوئے ہوں وضو کیا کرو۔

جوب (ب)

حدیث میں مذکور مسئلہ میں جمہور فقہاء کا مسلک:

حدیث میں مذکور مسئلہ میں جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صریح اور صحیح حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا چاہئے لیکن جمہور فقہاء کرام نے اس کے خلاف مسلک کو اختیار کیا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام نے بچند وجوہ اس حدیث کے خلاف مسلک کا ختیار کیا ہے، ان وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''کان آخیر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار'' میں مذکور ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مما مست النار کے استعمال سے وضو کرنے کا یہ حکم صرف استحباب پر مبنی ہے وجوب پر مبنی نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جن احادیث میں مما مست النار کے استعمال کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان احادیث میں وضو سے وضو اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ وضو لغوی یعنی ہاتھ منھ دھونا مراد ہے۔

پس ان وجوہات کی بنیاد جمہور فقہاء کرام نے مذکورہ فی السوال مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف مسلک اختیار کیا ہے۔

جواب (ج)

ابن اخت اور ابن اخ کے مابین دفع تعارض:

واضح رہے کہ اس حدیث میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت سفیان بن سعید کو یا ابن اختی فرمایا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں یا ابن اخی کہکر مخاطب کیا ہے سوال یہ ہے حضرت سفیانؒ حضرت ام حبیبہؓ کے بھانجے تھے یا بھتیجے؟ اس سوال کا جواب یہ کہ حدیث میں حضرت ام حبیبہؓ کا حضرت سفیانؒ کو یا ابن اختی کہنا صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے اس لئے آپ حضرت ام حبیبہؓ کے بھانجے ہی تھے اب رہا بعض روایات میں ان کو بھتیجا کہنا تو وہ مبنی بر مجاز اور اہل عرب کی عادت کے طور پر ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۹﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۷﴾

عَنْ ابی خَالِدِالدَّالانِیِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِی الْعَالِیَةَ عَن ابن عَبَّاس اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلمَ کَا نَ یَسْجُدُ وَیَنَامُ وَیَنْفَخُ ثُمَّ یَقُوْمُ فَیُصَلِّیْ وَلا یَتَوَضَّاءُ فَقُلْتُ لَهُ صَلَّیْتَ وَلَمْ یَتَوَضَّاءُ وَقَدْ نِمْتَ فَقَالَ: اِنَّمَا الْوُضُوْءُ عَلٰی مَنْ نَا مَ مُضْطَجِعاً. قَالَ ابو داؤدؒ: قَوْلُهُ: اَلْوُضُوْءُ علیٰ مَنْ نَام مُضْطَجِعاً هُوَحَدِیْثٌ مُنْکَرٌ۔

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر مطلب خیز ترجمہ کریں (ب) قال ابوداؤدؒ کی وضاحت کریں (د) یزیدؒ الدالانی کی کسی نے توثیق کی ہوتو اس کو بھی بیان کریں اور امام ابوداؤدؒ کے اعتراض کا جواب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام سجدہ کرتے تھے اور سوجاتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے خراٹوں کی آواز آنے لگتی تھی پھر آپؐ (بیدار ہوکر) بغیر وضو کئے نماز ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ (جب آپؐ نے ایسا کیا تو) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ سوگئے تھے اور آپؐ نے بغیر وضو کئے نماز ادا کرلی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ (سونے کی وجہ سے) وضو اس شخص کیلئے (کرنا) ضروری ہے جو کروٹ لیکر سوجائے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ''الوضوء علی من نام مضطجعا'' حدیث منکر ہے۔

جواب (ب)

قال ابوداؤدؒ کا مطلب:

قال ابوداؤدؒ کہکر حضرت امام ابوداؤدؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ فی السوال یہ حدیث

اگر چہ صحیح ہے لیکن اس میں اس کا آخری ٹکڑا " الوضوء علی من نام مضطجعا " یہ منکر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علماء کی ایک بڑی جماعت مثلاً حضرت عکرمہؒ، حضرت کریبؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیر وغیرہ روایت کیا ہے لیکن انہوں نے اس ٹکڑے کو ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس ٹکڑے کو حضرت قتادہ سے صرف حضرت یزید الدلانی نقل کرتے ہیں اور یہ ضعیف روای ہیں۔

قال شعبہ سے حضرت امام ابوداؤدؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں:

قال شعبہؒ سے حضرت امام ابوداؤدؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرت شعبہؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث ضعیف ہے بایں طور کہ حضرت قتادہ نے حضرت ابوالعالیہ سے صرف چار احادیث راویات کی ہیں جن میں سے ایک حضرت یونسؑ بن متیٰ کی حدیث ہے جو بخاری شریف میں مذکور ہے دوسری حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے جو نماز کے متعلق ہے، تیسری حضرت علی کی حدیث ہے جو قاضیوں کے متعلق ہے، چوتھی حضرت عبداللہ بن وعباسؓ کی حدیث " حدثنی رجال مرضیون منهم عمر وأرضاهم عندی عمر " ہے، پس حضرت قتادہ کی ان چاروں روایات میں کہیں بھی یہ راویت " انما الوضوء علی من نام مضطجعا " موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت منقطع السند ہے اور کسی بھی روایت کا منقطع السند ہونا اس کے ضعیف ہونے کیلئے کافی ہوتا ہے۔

جواب (د)

یزید الدالانی کی ثقاہت کا ثبوت اور امام ابوداؤدؒ کے اعتراض کا جواب:

حضرت امام ابوداؤدؒ نے مذکورہ فی السوال روایت پر جو یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت یزید الدالانی کی وجہ سے منکر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول ہمیں تسلیم نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یزید الدالانی ایک مختلف فیہ روای ہیں چنانچہ بعض علماء نے اگر ان کی تضعیف کی ہے تو مشہور محدث حضرت ابوحاتمؒ نے ان کو ثقہ اور امام ذہبیؒ نے حسن الحدیث قرار دیا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک متوسط درجہ راوی ہیں مطلقاً ضعیف راوی نہیں ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۷﴾

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) وکاء السہ کی لغوی تحقیق تحریر کریں (د) نوم کن حالات میں ناقض وضو ہے اور کن حالات میں نہیں ہے، اس حدیث سے بظاہر کیا معلوم ہو رہا ہے اس کو تحریر کریں اور اس مسئلہ میں أئمہ اربعہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مقعد کی ڈاٹ دونوں آنکھیں ہیں لہذا جو شخص سوئے اسے چاہیے کہ وضو کرلے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی مقعد یعنی سرین سے ریح کے نکلنے کو روکنے کا بندھن انسان کی آنکھیں ہیں جب تک آنکھیں کھلی رہتی ہیں تو انسان کی ریح خارج نہیں ہوتی اور باوضو شخص کا وضو باقی رہتا ہے اور جب انسان سوجاتا ہے تو اس کا یہ بندھن کھل جاتا ہے اور ریح کے خارج ہونے کا احتمال قوی ہوجاتا ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی (باوضو) شخص سوجائے تو اٹھنے کے بعد وضو کرلے۔ (تاکہ شیطان اس کے دل میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ ڈال سکے)

جواب (ج)

وکاء السہ کی لغوی تحقیق:

واضح رہے کہ لفظ ''وکاء'' کساء کے وزن پر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں وہ چیز جس سے

مشکیزہ وغیرہ کو باندھا جاتا ہے، اس کو ہمارے عرف میں بندھن کہا جاتا ہے۔

اور لفظ السہ اس کے لغوی معنی مقعد اور سرین کے ہیں، یہ حروف ناقصہ میں سے ہے، اس کی اصل "سَتَۃٌ" ہے جس کی جمع استاہ آتی ہے، اس میں تعلیل یہ ہوئی ہے اولاً اس کے آخری حرف "ہ" کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض شروع میں ہمزہ لایا گیا اس طرح است ہو گیا اس کے بعد "ہ" جو اس لفظ کا آخری حرف تھا اس کو دوبارہ اس میں لگا دیا گیا اور اس کے عین کلمہ "ت" کو اور شروع میں لائے گئے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اسطرح یہ لفظ سہ ہو گیا۔(۱)

جواب (د)

نوم کن حالات میں ناقض وضو ہے اور کن میں نہیں ہے؟:

واضح رہیکہ نیند ہر حالت میں ناقض وضو نہیں ہے بلکہ صرف اس حالت میں ناقض وضو ہے جس میں انسان کی مقعد کا بندھن کھلنے اور اس کی ریح کے نکلنے کا احتمال ہوتا ہے اور یہ احتمال صرف اس نیند میں پایا جاتا ہے جو انسان پر غالب آجاتی ہے، لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ نیند جو انسان پر غالب آجائے وہ ناقض وضو ہے اور جو غالب نہ آئے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔

اس حدیث سے بظاہر کیا معلوم ہوتا ہے؟:

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیند ہر حال میں ناقض وضو ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں مطلق نیند کے بارے میں فرمایا ہے جو شخص سو جائے اس چاہیے کہ اٹھنے کے بعد وضو کر لے اس میں آپ علیہ السلام نے غالب اور غیر غالب نیند کی کوئی تفصیل نہیں کی کے پس اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی نیند ناقض وضو ہے۔

لیکن واضح رہے کہ علماء نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا ہے بلکہ عمل ان احادیث پر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی نیند ناقض وضو نہیں ہے بلکہ صرف غالب نیند ناقض وضو ہے، اب رہی یہ حدیث تو اس کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس مسئلہ میں أئمہ اربعہ کے مذاہب اور دلائل:

واضح رہے کہ اس مسئلہ حضرات أئمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر طرح کی

(۱) بذل المجهود، بیروت ۱۴۸/۱، السمح المحمود ۱/ ۳۷۹.

نیند ناقض وضونہیں ہے بلکہ صرف وہ نیند ناقض وضو ہے جو انسان پر غالب آجاتی ہے اور جس میں ریح کے نکلنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ ان حضرات نے اپنے اس مذہب پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں ''کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینتظرون العشاء حتی تخفق رؤسهم ثم یصلون ولا یتوضون '' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عشاء کی نماز کا انتظار کرتے یہاں تک کہ ان کے سر نیند کی وجہ سے جھک جایا کرتے تھے اور پھر وہ بغیر وضو کئے نماز ادا کر لیتے تھے۔ اس روایت سے جمہور نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ صحابہؓ معمولی نیند کی وجہ سے وضونہیں کرتے تھے پس اس معلوم ہوتا ہے معمولی نیند جس کا خمار انسان پر طاری نہ ہو وہ ناقض وضونہیں ہے، البتہ اگر نیند غالب آجائے تو پھر یہ ناقض وضو ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۷﴾

عن علیؓ قال کُنتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَجَعَلْتُ أغْتَسِلُ حتی تَشَقَّقَ ظَهْرِیْ فذکرتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلمَ لاتَفْعَلْ اِذَا رَأَیْتَ الْمَذِیَّ فَاغْسِلْ ذَکَرَکَ وَتَوَضَّأْ وُضُوْکَ لِلصَّلَاۃِ واِذَاأَفْضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مذی، ودی اور منی کی تعریف لکھ کر ان کے مابین فرق کو واضح کریں (ج) منی کی طہارت ونجاست کے بارے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک بہت مذی والا شخص تھا (یعنی میری مذی بہت نکلا

کرتی تھی، مذی کے نکلنے پر) میں غسل کرتا تھا یہاں تک کے (زیادہ غسل کرنے کی وجہ سے) میری پیٹھ پھٹ گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا جب مذی نکلا کرے تو (غسل مت کرو) بلکہ اپنے ذکر کو دھو کر نماز کی طرح وضو کر لیا کرو اور جب منی نکلے تو غسل کیا کرو۔

جواب (ب)

مذی، ودی اور منی تعریفات:

مذی کی تعریف:

مذی کی تعریف ہے "ماء رقیق ابیض یخرج عند ملاعبة الرجل اھله" مذی کہتے ہیں اس سفید اور رقیق پانی کو جو آدمی کے اپنی بیوی سے ملاعبت کے وقت نکلتا ہے۔

ودی کی تعریف:

ودی کی تعریف ہے "ماء ابیض کدر ثخین یشبه المنی فی الثخانة ویخالفه فی الکدورة ولا رائحة له ویخرج عقیب البول" ودی ایک سفید رنگ کے گاڑھا پانی کو کہتے ہیں جو گاڑھا ہونے میں تو منی کے مشابہ ہوتا ہے اور گدلا ہونے میں اس کے مخالف ہوتا ہے اس کے اندر بو نہیں ہوتی ہے اور یہ عموماً پیشاب کے بعد نکلتا ہے۔

منی کی تعریف:

منی کی تعریف ہے "الماء الابیض الغلیظ الدافق الذی یتکون منه الولد ویذھب منه الشھوة وینکسر بخروجه الذکر" منی وہ سفید اور گاڑھا پانی ہے جو (شہوت کے وقت) کود کر نکلتا ہے اس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے اور اس کے نکلنے کے بعد شہوت ختم ہوجاتی ہے اور عضو ڈھیلا ہوجاتا ہے۔

مذی، ودی اور منی کے مابین فرق:

مذی، ودی اور منی کے مابین فرق یہ ہے کہ یہ تینوں جب شہوت کے ساتھ خارج ہوتی ہیں تو انسان پر بالاتفاق غسل واجب ہوجاتا ہے اور اگر بغیر شہوت کے خارج ہوتی ہیں تو اس میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اس صورت میں یہ موجب غسل نہیں ہیں البتہ بعض فقہاء

کرام اس صورت میں بھی ان کو موجب غسل قرار دیتے ہیں۔

اب رہا ان کا ناقض وضو ہونا تو اگر یہ تینوں بغیر شہوت کے خارج ہوتی ہیں تو تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ان کا خروج ناقض وضو ہے، البتہ منی اور ودی کو چھوڑ کر مذی کے طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔

جواب (ج)

منی کی طہارت ونجاست کے بارے میں أئمہ کے مذاہب اور دلائل:

منی پاک ہے یا ناپاک اس سلسلے میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک منی مطلقاً نجس اور ناپاک ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک منی پاک ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے

''سأل رجل النبی صلی اللہ علیه وسلم أصلی فی ثوب الذی أتی فیه اهلی قال نعم، الا أن تریٰ فیه شیأ فتغسله'' ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کہ کیا میں اس کپڑے میں نماز ادا کرسکتا ہوں جس کو پہن کر میں نے اپنے اھل سے مجامعت کی ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (اس کپڑے میں نماز ادا کرسکتے ہوں) الّا یہ کہ اس میں اگر تم کسی چیز (مثلاً منی وغیرہ کو لگا ہوا) پاؤ تو اس کو دھولو۔

اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مذہب پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور

علیہ السلام نے کپڑے پر منی لگ جانے کی صورت میں اس کو دھو کر نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے پس اگر منی پاک ہوتی تو حضور علیہ السلام کپڑے پر لگی ہوئی منی کو دھونے کا حکم نہ دیتے بلکہ سائل کے جواب میں صرف نعم ارشاد فرما کر اسی حالت میں نماز ادا کرنے کو جائز قرار دیے دیتے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مذہب پر حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں ''کنت أفرک المنی من ثوب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں حضور علیہ السلام کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی۔

اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مذہب پر بایں طور استدلال کیا ہے کپڑے پر کسی ناپاک چیز کے لگ جانے بعد اس کو کھرچ دینا کپڑے کو پاک نہیں کرتا ہے اور حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے مطابق حضور علیہ السلام کے کپڑے سے منی کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہو رہا ہے پس اس معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک نہیں ہے بلکہ پاک ہے اگر یہ ناپاک ہوتی تو حضرت عائشہؓ حضور علیہ السلام کے کپڑے پر سے اس کو کھرچنے کے بجائے کپڑے کو دھو کر پاک کرتیں۔

نیز منی کے پاک ہونے پر ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تخلیق ہوئی ہے پس اگر یہ ناپاک ہوتی تو ان پاکیزہ اور مقدس شخصیات کی تخلیق اس سے کس طرح ہو سکتی تھی۔

مذہب دوم کی مذکورہ دلیل کا جواب:

مذہب دوم کے قائلین نے جن دو دلیلوں سے منی کے پاک ہونے پر استدلال کیا ہے ان میں سے پہلی دلیل یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ کپڑے پر سے ناپاک اشیاء کو دور کرنے اور کپڑے کو پاک کرنے کیلئے دھونا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ مختلف طریقوں سے اس کو پاک کیا جا سکتا ہے جن میں ایک طریقہ فرک یعنی کھرچ دینے کا بھی ہے پس اگر کپڑے پر لگی ہوئی ناپاک چیز (مثلاً منی وغیرہ) اتنی غلیظ اور موٹی ہے کہ اس نے کپڑے میں سرایت نہیں کیا ہے اور کھرچ دینے سے اس کا اثر ذائل ہو سکتا ہے تو اس ناپاک چیز کو کپڑے پر کھرچ دینے سے کپڑا

پاک ہو جائے گا، پس حضرت عائشہؓ نے جس منی کو حضور علیہ السلام کے کپڑے پر سے کھرچا تھا وہ اسی صفت کی تھی، لہذا اس روایت سے منی کی پاکی استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

رہی ان حضرات کی دوسری دلیل تو اس کا جواب یہ کہ نجس اور ناپاک اشیاء اس وقت تک ناک رہتی ہیں جب تک کہ وہ اپنی ناپاکی کی ماہیت پر ہوتی ہیں اور جب وہ ماہیت تبدیل کر لیتی ہیں تو پھر پاک ہو جاتی ہیں، پس منی بھی جب تک ناپاک رہتی ہے جب تک کہ منی بنی رہتی ہے اور جب یہ ماہیت تبدیل کر کے گوشت کا لوتھڑا بن جاتی ہے تو پاک ہو جاتی ہے اور کسی بھی انسان کی اس سے اس وقت تخلیق وجود میں آتی ہے جب یہ گوشت بن چکی ہوتی ہے پس آپ کا یہ کہنا کہ اگر منی ناپاک ہوتی تو اس سے انبیاء کی تخلیق نہ ہوتی صحیح نہیں ہے، منی ناپاک ہے اور انبیاء کی اس سے تخلیق اس کے قلب ماہیت کے بعد ہوئی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۲۷﴾

حدثنا عثمانُ بنُ ابی شیبةَ أخبرنا شریکٌ وجریرٌ وابن ادریسِ عن الاعمشِ عن شقیقٍ قال: قال عبدُ اللّٰهِ كُنَّا لا نَتَوَضَّاءُ مِنْ مَوْطِئٍ وَلا نَكُفُّ شَعْراً وَلا ثَوْباً قَالَ ابراهیمُ بنُ معاویةَ عن الاعمشِ عن شقیقٍ عن مسروقٍ اَوْ حُدِّثَهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ عبدُ اللّٰهِ وقال هَنَّادٌ عن شقیقٍ او حُدِّثَهُ عنه قال: قال: عبدُ اللّٰهِ۔

(الف) اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کریں (ب) مختصر اور مناسب مطلب تحریر کریں (ج) اس حدیث شریف میں سند کا کیا اختلاف ہے؟ اس کو وضاحت کے ساتھ سے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم راستے میں

چل کر پیر نہیں دھوتے تھے اور نماز میں بالوں اور کپڑوں کو نہیں سمیٹتے تھے۔ حضرت امام ابوداوٗدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم جب اس حدیث کو امام اعمشؒ سے نقل کرتے ہیں تو حضرت شقیقؒ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے درمیان حضرت مسروقؒ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں جب کہ حضرت ہنادؒ اس واسطہ کو ذکر نہیں کرتے ہیں۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس روایت میں نماز کے متعلق دو اہم مسئلے بیان کئے گئے ہیں، پہلا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے وضو کر کے ننگے پیر نماز ادا کرنے کیلئے مسجد جائے اور راستے میں اس کے پیروں پر کوئی نجاست لگ جائے تو اس کیلئے مسجد پہنچ کر اپنے پیروں کو دھونا اور دوبارہ وضو کرنا ضروی ہے یا نہیں؟ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے البتہ اگر پیروں پر ناپاکی لگ جائے تو اس کی وجہ سے حکم یہ ہے کہ مسجد پہنچ کر پیروں کو دھولینا ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے نماز ادا کرتے ہوئے سجدہ میں اس خوف سے اپنے کپڑوں اور سر کے بالوں کو سمیٹنا کہ کہیں زمین کی مٹی ان پر نہ لگ جائے ممنوع اور خشوعِ نماز کے خلاف ہے، پس اس سے احتراز کرنا ہر مسلمان پر ازحد درجہ ضروری ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ حدیث کی سند میں کیا اختلاف ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت امام ابوداوٗدؒ نے یہاں سند کا جو اختلاف بیان کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت امام ابوداوٗدؒ کے تین استاذ ہیں (۱) حضرت ہنادؒ (۲) حضرت ابراہیمؒ (۳) حضرت عثمانؒ، حضرت عثمانؒ کی سند سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں حضرت اعمشؒ اور حضرت شقیقؒ کے درمیان کوئی وسطہ موجود نہیں ہے اسی طرح حضرت شقیقؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے درمیان بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن حضرت ابراہیمؒ کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اعمشؒ اور حضرت شقیقؒ کے درمیان تو کوئی وسطہ نہیں ہے البتہ حضرت شقیقؒ اور

حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے درمیان حضرت مسروق کا واسطہ موجود ہے، اس کے برخلاف حضرت ہنادؒ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شقیقؒ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہیں ہے، رہا حضرت اُعمش اور حضرت شقیق کے درمیان واسطہ تو اس کے ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۳﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۲۹﴾

عَنْ أبِی سَلْمَةَ عن ابی سَعِیْد الخُدْرِیّ أنَّ رسولَ اللّٰہِ صلیٰ اللّٰہ علیہ وسلمَ قال اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَکَانَ أبُو سَلْمَةَ یَفْعَلُ ذَالِکَ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ''الماء من الماء'' کا وہ مفہوم بیان کریں جس پر حضرت ابوسلمہؓ عامل تھے (ج) مذکورہ مسئلہ میں حضرات اَئمہ اربعہ کے اقوال مع دلائل تحریر کر کے مذکورہ فی السوال حدیث کا جواب تحریر کریں (د) اس مسئلہ میں امت کے اتفاق کرنے کی جو شکل پیش آئی تھی اس کو بھی مختصراً تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوسلمہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ پانی، پانی سے واجب ہوتا ہے اور حضرت ابوسلمہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

جواب (ب)

الماء من الماء کا وہ مفہوم جس پر حضرت ابوسلمہ عامل تھے:

حضرت ابوسلمہؒ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد ''الماء من الماء'' کا یہ مفہوم بیان کرتے اور اسی پر عمل کرتے تھے کہ اگر آدمی اپنی بیوی سے جماع کرتے ہوئے اکسال میں

مبتلا ہو جائے یعنی انزال ہونے سے پہلے ہی اس کا ذکر ڈھیلا ہو جائے تو اس پر غسل واجب نہیں ہے بلکہ اس کیلئے نماز ادا کرنے کے واسطے صرف ذکر کو دھو لینا اور وضو کر لینا کافی ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے" الماء من الماء "پانی، پانی سے واجب ہوتا ہے یعنی غسل کرنا انزال ہونے سے واجب ہوتا ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ مسئلہ میں حضرات أئمہ اربعہ کے اقوال اور دلائل:

مذکورہ مسئلہ میں تمام أئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جماع کرتے ہوئے مرد کا حشفہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو پھر خواہ انزال ہوئے یا ہوئے مرد و عورت دونوں پر غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔

ان حضرات نے اپنے اس قول پر سنن ترمذی کی روایت سے استدلال کیا ہے، ترمذی شریف میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے" اذا تجاوز الختان الختان فقد وجب الغسل "جب ایک ختنہ دوسری ختنہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے یہ روایت ان تمام حضرات کے مسلک کی بین دلیل ہے۔

واضح رہے کہ ابتداء میں اس مسئلہ کے اندر صحابہ کرام کے مابین اختلاف تھا، انصار صحابہ اس بات کے قائل تھے غسل کا وجوب انزال سے ہوتا ہے جبکہ مہاجر صحابہؓ یہ خیال کرتے تھے کہ عورت کی شرم گاہ میں مرد کا آلہ داخل ہوتے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے اس کیلئے انزال کا ہونا شرط نہیں ہے، لیکن پھر بعد میں تمام صحابہ کا اسی پر اتفاق ہو گیا تھا کہ جماع کی وجہ سے مرد و عورت پر غسل واجب ہونے کیلئے انزال کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ دخول حشفہ کے بعد دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

جمہور کی جانب سے حدیث" الماء من الماء "کا جواب:

جمہور فقہاء کی جانب سے حضرت ابو سلمہؒ کی اس روایت" الماء من الماء "کے مختلف جوابات دئے جاتے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ ہے یہ حدیث اپنے حکم کے اعتبار سے

منسوخ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث جماع فی غیر الفرج پر محمول ہے یعنی اگر آدمی عورت کی فرج کے علاوہ کسی اور جگہ اپنی تسکین کا سامان کرتا ہے تو اس صورت میں غسل انزال ہی سے واجب ہوگا، تیسرا جواب جس کو حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہ حدیث احتلام کے متعلق ہے یعنی اگر کوئی سوتے ہوئے خواب میں یہ دیکھے کہ اس کو انزال ہوا ہے اور پھر اٹھ کر کپڑے وغیرہ پر اس کا کوئی اثر نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب نہیں ہے بلکہ اس پر غسل تب ہی واجب ہوگا جب کہ وہ بیدار ہونے کے بعد کپڑے وغیرہ پر منی کا اثر پائے گا۔

جواب (د)

اس مسئلہ میں امت کے اتفاق کرنے شکل:

اس مسئلہ میں امت کے اتفاق کرنے یہ شکل پیش آئی کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آکر عرض کیا کہ حضرت زید بن ثابتؓ مسجد نبوی میں اپنی رائے یہ سے فتوی دے رہے ہیں کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت زیدؓ کو بلا کر معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ بات حضرت ابو ایوبؓ انصاری، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت رفاعہؓ بن رافع سے سنی ہے، اتفاق سے حضرت رفاعہؓ مجلس میں موجود تھے حضرت عمرؓ نے ان سے معلوم کیا کہ زیدؓ جو بات بیان کر رہے ہیں یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے، ہم حضور علیہ السلام کے زمانے اس صورت میں غسل نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے معلوم کیا کہ تم نے یہ مسئلہ حضور علیہ السلام سے معلوم کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے تو معلوم نہیں کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اہل مجلس سے اس سلسلے میں معلوم کیا تو ان کے مابین اختلاف ہو گیا، حضرت عمرؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا کہ اللہ کے بندو اگر تم ہی اختلاف کرو گے تو بعد کے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ یہ مسئلہ ازواج مطہرات سے معلوم کر لیا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ ایک شخص حضرت حفصہؓ کے پاس بھیجا مگر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور فرمایا کہ میرے ساتھ ایسی صورت پیش نہیں آئی، پھر حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا

توانہوں نے ارشادفرمایا کہ میرے اور حضور علیہ السلام کے درمیان یہ صورت پیش آئی تھی اور ہم دونوں نے غسل کیا تھا، پس حضور علیہ السلام کے اس عمل کے معلوم ہوجانے کے بعد تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہوجاتا ہے، اور حضرت عمرؓ نے باقاعدہ اعلان فرمادیا اب اگر کوئی اس کے خلاف کرے گا اور معلوم ہوجائے گا تو اس کو سخت سزادی جائیگی۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۱﴾

بَـابٌ فَی الرَّ جُلِ یَجِدُ الْبَلَّةَ فَی مَنَامِهِ: عن عائشةَ قَالتْ: سُئِلَ النَّبیُّ صلی اللّٰہ علیه وسلمَ عَنِ الرَّجُلِ یَجِدُ الْبَلَلَ وَلا یَذْکُرُ اِحتِلَاماً. قَال: یَغْتَسِلُ۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف میں البلل سے کیا مراد ہے اس کو تحریر کریں (ج) کیا مطلق بلل پر غسل کا حکم ہے یا اس میں تفصیل ہے اگر تفصیل ہے تو اس کی تمام صورتوں کو تحریر کر کے انکا حکم بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث

یہ باب اس شخص کے بیان میں جو اپنے خواب میں تری کو پائے: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے اس شخص کے متعلق سوال کیا کہ جو تری کو پائے اور اس کو خواب یاد نہ ہوتو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ (یہ شخص) غسل کرے گا (یعنی اس پر غسل کرنا واجب ہے)

جواب (ب)

حدیث شریف میں ''البلل'' سے کیا مراد ہے؟:

واضح رہیکہ اس حدیث میں ''البلل'' سے کیا مراد ہے اس میں جمہور علماء اور حضرت امام نخعیؒ

کے مابین اختلاف ہے، جمہور علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ یہاں "البلل" سے منی کی تری مراد ہے، جبکہ حضرت امام نخعی فرماتے ہیں کہ اس سے مطلق تری خواہ منی کی ہو یا کسی اور چیز کی وہ مراد ہے۔

جواب (ج)

خواب میں تری دیکھنے کی صورتیں اوران کے احکام:

واضح رہیکہ خواب میں تری دیکھنے کی مختلف صورتیں ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی چودہ صورتیں تحریر کی ہیں، ان میں سات وہ صورتیں ہیں جن میں آدمی کو احتلام یاد ہوتا ہے اور سات وہ ہیں جن میں احتلام یاد نہیں ہوتا ہے۔

ان صورتوں کی تفصیل یہ ہے........

(۱) تری کے منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو (۲) تری کے مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو (۳) تری کے ودی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو (۴) تری کے منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو (۵) تری کے مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو (۶) تری کے منی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو (۷) تری کے منی، مذی اور ودی تینوں ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو (۸) تری کے منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۹) تری کے مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۱۰) تری کے ودی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۱۱) تری کے منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۱۲) تری کے مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلامیا د نہ ہو (۱۳) تری کے منی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۱۴) تری کے منی، مذی اور ودی تینوں ہونے میں شک ہو اور احتلام یادیا د نہ ہو۔

فقہاء کے نزدیک مذکورہ صورتوں کے احکام:

واضح رہیکہ فقہاء کرام کے مابین ان مذکورہ چودہ صورتوں کے احکام کو لیکر اختلاف ہے چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے چار مذاہب ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔۔۔

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرات احناف کا ہے ان کے نزدیک ان چودہ صورتوں میں پہلی سات صورتوں

کے اندر تیسرے نمبر کی صورت کو چھوڑ کر بقیہ تمام صورتوں میں غسل واجب ہوتا ہے، اور آخر کی سات صورتوں میں سے اس صورت کے اندر جس میں تری کے منی ہونے کا یقین ہوتا ہے بالاتفاق غسل واجب ہے اور اس صورت میں جس میں تری کے مذی یا ودی ہونے کا یقین ہو یا اس کے مذی اور ودی ہونے میں شک ہو بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے، اور اس صورت میں جس میں تری کے منی یا مذی ہونے میں شک ہو یا اس کے منی اور ودی ہونے میں شک ہو یا تینوں ہی ہونے میں شک ہو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک غسل واجب ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے احناف کے نزدیک ان سات صورتوں میں جن میں آدمی کو احتلام یاد نہیں ہوتا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف پہلے نمبر کی صورت میں غسل واجب ہے بقیہ چھ میں غسل واجب نہیں ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت کے ساتھ ساتھ شک کی تمام صورتوں میں بھی غسل واجب ہوتا ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے آپ کے نزدیک تری پائے جانے کی ہر اس صورت میں جس میں اس کے منی اور مذی ہونے میں یا منی اور ودی ہونے میں شک ہو غسل واجب ہوتا ہے اور تینوں میں شک ہو تو پھر احتمال کے کمزور ہونے وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ کا ہے آپ کے نزدیک ہر اس صورت میں جس میں تری کے منی ہونے کا یقین ہو غسل واجب ہے اور جس میں اس کے منی ہونے کا یقین نہ ہو اس میں غسل واجب نہیں ہے اور جس صورت میں شک ہو اس میں آدمی کو اختیار ہے چاہے غسل کرے یا نہ کرے البتہ اگر کرلے تو بہتر ہے۔

مذہب چہارم:

چوتھا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے آپ کا مذہب حضرت امام شافعیؒ کے مذہب ہی کہ مثل ہے البتہ شک کی صورتوں کے متعلق آپ یہ فرماتے ہیں کہ اگر قبل النوم مذی نکلنے کا کوئی

سبب پایا گیا تو غسل واجب نہیں ہے اور اگر اس کا کوئی سبب سونے سے پہلے موجود نہ ہو اور آدمی نے بیدار ہو کر کپڑے پر تری دیکھی تو خواہ وہ مذی یا ودی ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے منی ہونے کے احتمال کے پیش نظر غسل واجب ہوگا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۵﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۳﴾

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: إِنَّ اِمْرَأَةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ زُهَيْرٌ اِنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اِمْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِيْ أَفَأَ نْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَحْفِنِيْ عَلَيْهِ ثَلاثًا وَقَالَ زُهَيْرٌ تُحْثِي عَلَيْهِ ثَلاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ تُفِيْضِ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِكِ فَاِذَا أَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہے اس کو بیان کریں (ج) اگر حیض کے بعد کا غسل ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس میں اگر ائمہ کا اختلاف ہو تو اس کو بھی مدلل بیان کریں (د) یہ حکم مرد و عورت دونوں کیلئے ہے یا دونوں کے حکم میں کچھ فرق ہے اگر فرق ہے تو کس کا مسلک ہے مع دلیل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ مسلمانوں کی ایک عورت نے اور حضرت زہیر فرماتے ہیں کہ خود حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کیا کہ میں اپنی چوٹی مضبوط باندھتی ہوں کیا غسل جنابت کرنے کیلئے اس کو توڑوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے اپنے سر پر بس تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے اور حضرت زہیر کی روایت میں ہے کہ (آپ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ) تم تین چلو بھر کر سر پر پانی ڈالو اور پھر سارے بدن پر پانی بہاؤ بس تم پاک ہو جاؤ گی۔

جواب (ب)

اس حدیث سے کیا مسئلہ ثابت ہورہا ہے؟:

اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہورہا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھ کر رکھتی ہے تو اس کیلئے غسل جنابت کرتے وقت ان بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے بلکہ ان بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچا دینا کافی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے اگر عورت اپنے بالوں کو کھولے گی تو اس کو دوبارہ باندھنے میں کافی دقت ہوگی اور شریعت اسلامیہ انسان سے دقت کو دور کرتی ہے اس کو دقت میں مبتلا نہیں کرتی ہے۔

جواب (ج)

حیض کے بعد کئے جانے والے غسل کا حکم اور اس میں ائمہ کا اختلاف:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل کرتی ہے تو کیا اب بھی اس کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے بندھے ہوئے بال نہ کھولے یا اس غسل میں اس کیلئے بالوں کو کھولنا ضروری ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اگر بالوں کو کھولے بغیر ان کے ظاہر و باطن تک پانی پہنچ جائے تو بالوں کو کھولنا عورت کیلئے ضروری نہیں ہے اور پانی نہیں پہنچ پاتا ہے تو پھر بالوں کو کھولنا ضروری ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام حسن بصریؒ اور حضرت طاسؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک عورت کیلئے حیض ونفاس سے پاک ہونے کے وقت غسل کرتے ہوئے اپنے بالوں کو کھولنا اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، البتہ غسل جنابت میں اس کیلئے ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مذہب پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، اس روایت میں صراحت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے'' انما یکفیک أن تحفنی علیک ''تمہارے لئے غسل کرتے وقت اپنے بالوں کو کھولے بغیر ان پر تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے۔

اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ غسل چاہے جنابت سے پاکی کا ہو یا حیض ونفاس سے پاک ہونے کا دونوں ایک ہی طرح کا ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام نے غسل جنابت میں عورت کیلئے بالوں کو کھولنا لازمی قرار نہیں دیا ہے لہٰذا حیض ونفاس سے پاک ہونے کے وقت بھی اس پر بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے البتہ ان کی جڑوں تک پانی کو پہنچانا ضروری ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مذہب پر سنن دارقطنی اور بیہقی کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں عورت کیلئے جنابت سے پاک ہونے کا غسل کرتے ہوئے بالوں کے کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیا گیا لیکن حیض سے پاک ہونے کا غسل کرتے وقت ان کے کھولنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اگر عورت کیلئے حیض کا غسل کرتے وقت بالوں کا کھولنا ضروری نہ ہوتا تو اس روایت میں اس کی صراحت مذکور نہ ہوتی پس اس روایت میں چونکہ اس کی صراحت مذکور ہے اس لئے حیض سے پاک ہونے کا غسل کرتے ہوئے عورت پر اپنے بندھے ہوئے بال کھولنا ضروری ہے۔

لیکن واضح رہیکہ اس مسئلہ میں جمہور نے مذہب اول ہی کو اختیار کیا ہے اور مذہب دوم کے قائلین کی اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ایک روای مسلمؒ بن صبیح ضعیف ہیں لہٰذا اس روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جواب (د)

کیا یہ حکم مرد وعورت دونوں کیلئے ہے؟:

جنابت کا غسل کرتے ہوئے اپنے سر کے بالوں کو نہ کھولنے کا یہ حکم جو حدیث مذکور ہے مرد وعورت دونوں کیلئے ہے یا صرف عورت کیلئے ہے اس میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں.......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے آپ کے نزدیک یہ حکم صرف عورتوں کیلئے خاص ہے لہٰذا مرد کے سر پر اگر بال موجود ہیں اور بندھے ہوئے ہوں تو غسل جنابت کرتے ہوئے اس کیلئے ان بالوں کو کھولنا اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ حکم صرف عورتوں کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ اس میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں اگر مرد کے بال ہوں اور ان کو کھولے بغیر پانی ان کی جڑوں تک پہنچ جائے تو عورت کی طرح مرد پر بھی بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں اپنے مذہب پر حضرت ثوبانؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے، ارشاد فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے غسل کے مسئلہ میں مرد کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ''أما الرجل فلينشر رأسه،فليغسله حتى يبلغ اصول الشعر'' مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے بالوں کو کھولے اور دھوئے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، اور عورت کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کیلئے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔

اس روایت سے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور

علیہ السلام نے ایک ہی روایت میں مرد وعورت دونوں کے لئے غسل میں بالوں کے حکم کو بیان کیا ہے اور مرد کیلئے ان کھولنے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مرد وعورت دونوں کا حکم الگ الگ ہے اور غسل کرتے ہوئے بالوں کے نہ کھولنے کا یہ حکم صرف عورت کے ساتھ خاص ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۶﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۳۴﴾

أَنَّ ثَوْبَانَ حَدَّثَهُمْ اِسْتَفْتُوا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ أَمَّا الرَّجُلُ فَلْيُنْشِرْ رَأسَهُ فَلْيَغْسِلْهُ حَتّٰى يَبْلُغَ أُصُوْلَ الشَّعْرِ وَأَمَّا الْمَرْأَةُ فَلَا عَلَيْهَا اَنْ لَا تَنْقُضَهُ لِتَغْرِفَ عَلٰى رَأسِهَا ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ يَكْفِيْهَا۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عورت اور مرد کے غسل جنابت میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو کس کے مذہب پر ہے مدلل تحریر کریں (ج) عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض میں فرق ہے یا نہیں اس کو بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ثوبانؓ نے ان سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے غسل جنابت کے متعلق معلوم کیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مرد تو اپنا سر کھولے اور بالوں کو دھوئے یہاں تک پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور عورت کو سر نہ کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کیلئے اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے۔

جواب (ب)

مرد اور عورت کے غسل جنابت کا حکم اور ائمہ کے اقوال:

مرد اور عورت کیلئے غسل جنابت کرتے ہوئے سر کے بالوں کو کھولنے کا کیا حکم ہے اس مسئلہ

میں ائمہ کے مابین تھوڑا سا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے آپ کے نزدیک یہ حکم صرف عورتوں کیلئے خاص ہے لہٰذا اگر مرد کے سر پر بال موجود ہیں اور بندھے ہوئے ہوں تو غسل جنابت کرتے ہوئے اس کیلئے ان بالوں کو کھولنا اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں اپنے مذہب پر حضرت ثوبانؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے غسل کے مسئلہ میں مرد کے متعلق ارشاد فرمایا ہے "أما الرجل فلينشر رأسه، فليغسله حتى يبلغ اصول الشعر" مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے بالوں کو کھولے اور دھوئے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، اور عورت کے متعلق آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کیلئے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔

اس روایت سے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے حضور علیہ السلام نے ایک ہی روایت میں مرد وعورت دونوں کے لئے غسل میں بالوں کے حکم کو بیان کیا ہے اور مرد کیلئے ان کھولنے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مرد وعورت دونوں کا حکم الگ الگ ہے اور غسل کرتے ہوئے بالوں کے نہ کھولنے کا یہ حکم صرف عورت کے ساتھ خاص ہے۔(۱)

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ حکم صرف عورتوں کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ اس میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں اگر مرد کے بال ہوں اور ان کو کھولے بغیر پانی ان کی جڑوں تک پہنچ جائے تو عورت کی طرح مرد پر بھی بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) الدر المنضود ا/.........

جواب (ج)

کیا عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کے مابین فرق ہے؟:

عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کے مابین فرق ہے یا نہیں اس سلسلے میں بھی حضرات ائمہ کے درمیان اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اگر بالوں کو کھولے بغیر ان کے ظاہر و باطن تک پانی پہنچ جائے تو بالوں کو کھولنا عورت کیلئے ضروری نہیں ہے اور اگر پانی نہیں پہنچ پاتا ہے تو پھر بالوں کو کھولنا ضروری ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام حسن بصریؒ اور حضرت طاسؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک عورت کیلئے حیض ونفاس سے پاک ہونے کے وقت غسل کرتے ہوئے اپنے بالوں کو کھولنا اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، البتہ غسل جنابت میں اس کیلئے ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مذہب پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، اس روایت میں صراحت کے ساتھ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے " **انما یکفیک أن تحفنی علیک** " تمہارے لئے غسل کرتے وقت اپنے بالوں کو کھولے بغیر ان پر تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے۔

اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ غسل خواہ جنابت سے پاکی کا ہو یا حیض ونفاس سے پاک ہونے کا ایک ہی طرح کا ہوتا ہے اور حضور علیہ السلام نے غسل جنابت میں عورت کیلئے بالوں کو کھولنا لازمی قرار نہیں دیا ہے لہٰذا حیض ونفاس سے پاک ہونے وقت بھی اس کیلئے ان بالوں کو کھولنا ضروری نہیں ہے البتہ ان کی جڑوں تک پانی کو پہنچانا ضروری ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مذہب پر سنن دار قطنی اور بیہقی کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں عورت کیلئے جنابت سے پاک ہونے کا غسل کرتے ہوئے بالوں کے کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیا گیا لیکن حیض سے پاک ہونے کا غسل کرتے وقت ان کے کھولنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اگر عورت کیلئے حیض کا غسل کرتے وقت بالوں کا کھولنا ضروری نہ ہوتا تو اس روایت میں اس کی صراحت مذکور نہ ہوتی پس اس روایت میں چونکہ اس کی صراحت مذکور ہے اس لئے حیض سے پاک ہونے کا غسل کرتے ہوئے عورت پر اپنے بندھے ہوئے بال کھولنا ضروری ہے۔لیکن واضح رہے کہ اس مسئلہ میں جمہور نے مذہب اول ہی کو اختیار کیا ہے اور مذہب دوم کے قائلین کی اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ایک روای مسلمؒ بن صبیح ضعیف ہیں لہٰذا اس روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۷﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۵﴾

عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ: اِنَّ اِمْرَاۃً سَألَتْ عائشۃؓ أتَقْضِی الْحَائِضُ الصَّلاۃَ فَقَالَتْ أحَرُوْرِیَّۃٌ أنْتِ لَقَدْ کُنَّا نَحِیْضُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہِ علیہ وسلمَ فَلاَ نَقْضِیْ وَلَا نُؤمَرُ بِالْقَضَاءِ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حائضہ عورت روزہ کی قضاء کرے گی یا نہیں؟ اگر روازہ کی قضاء کرے گی تو نماز اور روزہ کے درمیان فرق کی وجہ بیان کریں (ج) حروریہ سے کیا مراد ہے اور ان کا کیا مسلک ہے اس کی وضاحت کریں (د) حضرت عائشہؓ کے اس عورت کو حروریہ کہنے کی وجہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة الحديث:

حضرت معاذة سے راویت ہے ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ کیا حائضہ عورت نماز کی قضاء کرے گی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو حروریہ ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیض آتا تھا اور ہم نماز کی قضاء نہیں کرتے تھے اور نہ ہمیں نماز کی قضاء کا حکم ہوتا تھا۔

جواب (ب)

حروریہ سے کیا مراد ہے؟:

حروری سے خارجی لوگ مراد ہوتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے بھی اس سے عورت کے خارجی ہونے ہی کو مراد لیا ہے گویا آپ یہ فرمارہی ہیں کہ کیا تم خارجی عورت ہو جو یہ سوال کررہی ہو، حالت حیض کی قضاء نمازیں دوہرانے کا عقیدہ تو خارجی لوگوں کا ہے۔

واضح رہیکہ خوارج کو حروری اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے کوفہ کے قریب حوراء نامی جگہ پر اجتماع کر کے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا تھا اور پھر باطل عقائد اختیار کر کے ایک باطل فرقہ بن گئے تھے۔

ایک اہم سوال اور اسکا جواب:

یہاں ایک اہم سوال جو کبھی پرچہ سوالات میں بھی آسکتا ہے یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس سوال کرنے والی عورت کو اس کے سوال کرتے ہی بغیر کسی تحقیق کے حروریہ کہکر خوارج کے بددین فرقہ کی جانب کیسے منسوب کردیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس زمانے اس فرقہ کا عروج تھا اور انکا یہ عقیدہ عام طور پر مشہور ومعروف تھا کہ حائضہ عورت پر حالت حیض کی نمازیں قضاء کرنا ضروری ہے، پس حضرت عائشہؓ کو اس سائلہ کے سوال کرنے سے ایسا لگا کہ وہ بھی خوارج کے عقائد سے متاثر ہے اور اس کو اس حکم شرعی کے ثبوت میں تردد ہے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے اس کو حروریہ فرما کر خوارج کی

جانب منسوب کیا ہے، اور اس کی دلیل کہ حضرت عائشہؓ کو اس عورت کے خارجی ہونے کا شبہ ہوا تھا مسلم شریف کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس عورت ہی نے حضرت عائشہؓ سے سوال کرتے ہوئے کہا تھا **"مابال الحائض تقضی الصوم ولا تقضی الصلاۃ"** (اسلام میں) حائضہ کا کیا مسئلہ ہے وہ روزوں کی قضاء تو کرتی ہے مگر نماز کی قضاء نہیں کرتی، پس اس کے اس اندازِ سوال سے حضرت عائشہؓ کو اس کے خارجی ہونے کا شبہ ہوا تھا، اس لئے آپؓ نے اس کو جواب دیتے ہوئے حروریہ فرمایا تھا:

نیز اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے بطور تنبیہ کے اس کو حروریہ کہا تھا اور اس کو اس بات کی جانب توجہ دلائی تھی کہ حالت حیض کی نمازوں کی قضاء کا عقیدہ رکھنا اسلام کا طریق نہیں ہے بلکہ خوارج کا طریق ہے۔

جواب (ج) عن عائشة فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة

حائضہ عورت پر روزوں کی قضاء واجب ہونے کی وجہ:

واضح رہے کہ تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حائضہ عورت پر حالت حیض میں ترک ہو جانے والے روزوں کی قضاء کرنا واجب ہے لیکن اس حالت میں چھوٹ جانے والی نمازوں کی قضاء کرنا واجب نہیں ہے، اور ان دونوں کے مابین اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ روزے سال میں صرف ایک مرتبہ آتے ہیں اس لئے ان کی قضاء کرنا کسی بھی عورت پر دشوار نہیں ہے، جبکہ نماز دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے، اب اگر عورت کی ہر ماہ دس روز کی نمازیں حیض کی وجہ سے ترک ہو جائیں گی تو اس پر ان کی قضاء کرنا یقیناً دشوار ہوگا اور عورت حرج میں مبتلا ہو جائے گی اور حرج کا اعتبار شریعت میں نہیں ہے۔

اہل سنت کے اس مسلمہ عقیدہ کے برخلاف خوارج کا عقیدہ یہ ہے کہ عورت پر جس طرح حالت حیض کے روزوں کی قضاء کرنا ضروری ہے اسی طرح نمازوں کی قضاء کرنا بھی ضروری ہے، لیکن ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۵﴾

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ قَالَ اِذَاوَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ. قَالَ أَبُودَاؤدُ: وَكَذَاقَالَ عَلِيُّ بْنُ بُذَيْمَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ، وَرَوى الاَزَاعِيُّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ مَالِكٍ الى عَنْ عَبْدِ الْحمِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ النَّبِيِّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ قَالَ اَمَرَه أن يَتَصَدَّقَ بِخُمُسي دِيْنَارٍ۔

(الف) حدیث شریف بااعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حالت حیض میں جماع کرنے کے بعد اس کی تلافی اور کفارہ کیا ہے اور اس میں حضرات ائمہ کرام کے درمیان کیا اختلاف ہے اس کو بیان کریں (ج) قال ابوداودؒ کا صحیح مقصد بیان کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا ہے جب کوئی (شخص) حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اس کو چاہیے کہ آدھا دینار صدقہ کرے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں ایسے ہی حضرت علی بن بذیمہ نے حضرت مقسم کے واسطے سے حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے، اور حضرت امام اوزعیؒ نے بطریق ''یزید بن ابی مالکؒ عن عبد الحمید'' حضور علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ حضور نے ان کو (یعنی سائل کو) دوخمس دینار صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

جواب (ب)

حالت حیض میں جماع کرنے کی تلافی کا طریقہ اور اس میں ائمہ کے مذاہب:

واضح رہے کہ حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا بنص قرآنی حرام ہے، لیکن اگر کوئی اس

حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیتا ہے تو اس کے اس گناہ کی تلافی کا کیا طریقہ ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر جمہور فقہاء کا ہے ان تمام حضرات کے نزدیک ایسے شخص پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے بلکہ توبہ استغفار کرنا ضروری ہے، البتہ احناف اور شوافع کے نزدیک ایسے شخص کیلئے ایک یا نصف دینار بطور کفارہ ادا کرنا مستحب ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام حسن بصریؒ، حضرت قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک اس شخص پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن یہ کفارہ کیا ہو اس کی تعیین میں ان کے مابین بھی اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ ایک غلام کفارہ میں آزاد کیا جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ایک یا نصف دینار صدقہ کردیا جائے۔

واضح رہیکہ جو حضرات کفارہ کے وجوب کے قائل ہیں وہ اپنے مذہب پر حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اس روایت میں چونکہ صیغۂ امر کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنے والے پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے، لیکن جو حضرات اس صورت میں کفارہ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ اس روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں صیغۂ امر برائے وجوب نہیں بلکہ برائے استحباب ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے والے پر ایک دینار یا نصف دینار بطور کفارہ ادا کرنا مستحب ہے۔

جواب (ج)

قال ابوداؤدؒ کا مقصد:

قال ابوداؤدؒ سے حضرت امام ابوداؤدؒ اس حدیث کے متن میں وارد ہونے والے اختلاف

کو بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت مقسمؒ سے ان کے بہت سے شاگردوں نے روایت کیا ہے جن میں سے تین شاگرد عبد الحمید، ابو الحسن اور عبد الکریم نے کفارہ میں دیۓ جانے والے دینار کی مقدار ایک دینار یا نصف دینار بیان کی ہے جبکہ باقی شاگردوں نے جن میں حضرت خصیف اور حضرت علی بن بذیمہ بھی ہیں انہوں نے مطلقاً نصف دینار مقدار بیان کی ہے۔

قوله: وروى الاوزعيؒ......

یہاں سے حضرت امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث کی سند اور متن میں اختلاف کی وضاحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بروایت "اوزاعیؒ عن یزیدؒ بن ابی مالکؒ عن عبد الحمید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی آتی ہے لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے معضل ہے اس لئے کہ اس میں عبد الحمیدؒ بن عبد الرحمٰنؒ کے بعد حضرت مقسمؒ اور صحابی کے دو واسطے متروک ہیں نیز متن کے اعتبار سے اس میں ایک یا نصف دینار کے بجائے خمس دینار کا تذکرہ ہے پس اس سند سے یہ روایت اصح روایت کے مقابلہ میں قابل استدلال نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۹﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۶﴾

عن عائشةؓ قالت كَانَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلمَ يَامُرُنَا فى فَوحِ حَيضِنَا أن نَتَّزِرَ ثُمَّ يُبَاشِرُنَا. وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ أَرَبَهُ كما كان رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلمَ يَمْلِكُ أَرَبَهُ۔

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حائضہ سے استمتاع کے متعلق ائمہ کے مابین کیا اختلاف ہے اس کو مدلل بیان کریں (ج) اس مسئلہ میں راجح قول کو ترجیح دیں۔

جواب (الف)

ترجمة الحديث:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمیں شدتِ حیض کی حالت

میں تہبند باندھنے کا حکم فرماتے اور ہم سے مباشرت کرتے تھے اور تم میں کون اس طرح اپنی خواہش کا مالک ہے جس طرح حضور علیہ السلام اپنی خواہش پر اختیار رکھتے تھے۔

نوٹ: حدیث میں مذکور لفظ فوح لغت میں باب نصر سے مستعمل ہے اور اس کے معنی خون میں شدت اور تیزی کے آتے ہیں۔

جواب (ب)

حائضہ عورت سے استمتاع کرنے کا حکم اور اس میں فقہاء کے مذاہب:

حائضہ عورت سے استمتاع کرنے کے تین طریقہ ہیں جن میں سے ایک بالاتفاق حرام اور ایک بالاتفاق جائز ہے جبکہ ایک میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے۔

پہلی صورت جو بالاتفاق حرام ہے وہ مقام خاص میں جماع کرنا ہے اس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس کے حرام ہونے پر اتفاق ہے۔

دوسری صورت جو بالاتفاق جائز ہے وہ مباشرت فیما فوق الازار ہے یعنی حائضہ عورت کی شلوار کے اوپر سے اس سے فائدہ اٹھانا مثلاً بوس کنار وغیرہ کرنا، اس صورت کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے تمام فقہاء کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

تیسری صورت جس کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے وہ مباشرت بین السرۃ والرکبہ ہے یعنی حائضہ عورت سے ناف اور گھٹنے کے درمیان سے فائدہ اٹھانا اس صورت کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کا ہے ان حضرات کے نزدیک حائضہ عورت سے ناف اور گھٹنے کے درمیان سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام نوویؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک حائضہ عورت سے جماع فی الفرج کے علاوہ ہر اعتبار سے فائدہ اٹھانا خواہ اسکی ناف اور گھٹنے ہی کے درمیان کیوں نہ ہو جائز ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے اس روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب ہم حالت حیض میں ہوتے تو حضور علیہ السلام ہمیں ازار باندھنے کا حکم فرماتے اور پھر ہم سے استمتاع فرماتے تھے، نیز ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہؓ بن سعد سے مروی ہے ارشاد فرماتے ہیں ''سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عما یحل لی من امرأتی وهی حائض فقال: لک ما فوق الازار'' میں نے حضور علیہ السلام سے معلوم کیا کہ اگر میری بیوی حائضہ ہو جائے تو میرے لئے اس کے کتنے حصے سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ازار کے اوپر سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

مذہب اول کے قائلین نے ان دونوں روایات سے اپنے مذہب استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے حضور علیہ السلام نے خود بھی حائضہ عورت سے ازر کے اوپر سے استمتاع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں مذکور ہے اور لوگوں کو بھی اسی کا حکم دیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہؓ بن سعد کی روایت میں ہے، پس ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے حائضہ عورت سے صرف ازار کے اوپر سے فائدہ اٹھانا جائز ہے رہا ازار کے نیچے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مذہب پر حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، سنن ابی داؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے حائضہ عورت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ''اصنعوا کل شئ الا النکاح '' حائضہ عورت سے جماع فی الفرج کے علاوہ ہر طرح سے استفادہ کر سکتے ہو، اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مذہب پر بایں طور استدلال کیا ہے، حضور علیہ السلام نے اس روایت میں حائضہ عورت سے صرف جماع کرنے کی ممانعت کی ہے اور اس کے علاوہ ہر طرح سے اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے

لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ عورت کے تمام بدن سے جس میں ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ بھی شامل ہے آدمی استفادہ کرسکتا ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ مسئلہ میں راجح مذہب:

واضح رہیکہ اس مسئلہ میں راجح مذہب، مذہب اول ہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے مذہب اول کے قائلین نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ قولی اور فعلی دونوں طرح کی ہیں، جبکہ مذہب دوم کے قائلین نے صرف قولی روایت سے استدلال کیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ صرف قول کے مقابلہ میں اگر قول وفعل دونوں جمع ہو جائیں تو یہ زیادہ مضبوط اور راجح ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۳۷﴾

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: اَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ عَنِ الدَّمِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَرَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مِلآنَ دَماً. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ: اُمْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ أغْتَسِلِيْ. قَالَ أَبُوْدَاؤدَ: رَوَاهُ قُتَيْبَةُ بَيْنَ اَضْعَافِ حَدِيْثِ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ فِيْ آخِرِهَا وَرَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ وَيُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ اللَّيْثِ فَقَالاَ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مستحاضہ کی تعداد احناف کے یہاں کتنی ہے اور دیگر ائمہ کے یہاں کتنی ہے اس کی تفصیل تحریر کریں (ج) حضور علیہ السلام نے حضرت ام حبیبہؓ کو کس قسم میں شمار فرما کر جواب دیا ہے اس کو بیان کریں (د) قال ابوداؤدؒ کی وضاحت کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ارشاد فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ نے حضور علیہ السلام سے خون کے متعلق معلوم کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کے (غسل کے) پانی کا برتن خون سے بھرا ہوا دیکھا ہے (یعنی وہ استحاضہ میں مبتلا تھیں اور ان کو خون اس کثرت سے آتا تھا کہ رکتا ہی نہیں تھا) حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ جتنے دنوں تک حیض تمہیں نماز سے روکتا تھا اتنے دنوں تک تم رکی رہو اس کے بعد غسل کرلو، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو حضرت قتیبہؒ نے حضرت جعفرؒ بن ربیعہ کی احادیث (بیان کرنے) کے درمیان ان کے آخر میں روایت کیا ہے، اور حضرت علیؒ بن عیاش اور حضرت یونسؒ بن محمد نے (اپنی سندوں میں) حضرت لیثؒ سے نقل کرتے ہوئے جعفر بن ربیعہ کی صراحت کی ہے۔

نوٹ:

مرکن اردو میں اس ٹپ کو کہتے ہیں جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، اس کی جمع مراکن آتی ہے، اور ملآن یہ عطشان کے وزن پر ہے اس کے لغوی معنی کسی چیز کے پُر اور بھرا ہوا ہونے کے ہیں۔

جواب (ب)

مستحاضہ کی اقسام:

واضح رہے کہ احناف کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں (۱) مبتدءہ، یعنی وہ عورت جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ حیض آئے اور پھر استمرار دم ہو جائے (۲) معتادہ، یعنی وہ عورت جس کو کچھ عرصہ انضباط کے ساتھ حیض آئے اور پھر استمرار دم ہو جائے (۳) متحیرہ، یعنی وہ عورت جس کے شروع میں ایام حیض متعین ہوں اور پھر استمرار دم ہو جائے اور ساتھ ہی وہ اپنی سابقہ عادت بھی بھول جائے اس کو بالفاظ دیگر ناسیہ، ضالہ، مضلہ، متحریہ بھی کہتے ہیں۔

پھر متحیرہ کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) متحیرہ بالعدد یعنی وہ عورت جو اپنے ایام حیض کی تعداد بھول جائے کہ وہ تین دن تھی یا پانچ دن تھی یا اس زیادہ تھی (۲) متحیرہ بالوقت یعنی وہ عورت جسے اپنے حیض آنے کا وقت یاد نہ رہا ہو کہ وہ مہینہ کا اول حصہ تھا یا درمیانی تھا یا آخری حصہ تھا (۳) متحیرہ بہما یعنی وہ عورت جو اپنے حیض کے ایام اور وقت دونوں بھول جائے۔

اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحاضہ کی چار قسمیں ہیں جن میں سے تین تو یہی بیان کردہ اقسام ہیں اور ایک چوتھی قسم ممیّزہ ہے، ممیّزہ اس عورت کو کہتے ہیں جو خون کا رنگ دیکھ کر پہچان سکتی ہے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا ہے، واضح رہیکہ احناف مستحاضہ کی اس قسم کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ مستحاضہ کی تمام اقسام میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

جواب (ج)

حضور علیہ السلام نے حضرت ام حبیبہؓ کو مستحاضہ کی کس قسم میں شمار کیا ہے؟:

حضور علیہ السلام نے حضرت ام حبیبہؓ کو مستحاضہ کی ان اقسام میں سے کس قسم میں شمار کیا ہے اس سلسلے میں حضرت سفیان ثوریؒ کی رائے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو معتادہ میں شمار کیا ہے جبکہ حضرت امام اوزاعیؒ کی رائے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو ممیّزہ میں شمار فرمایا ہے، لیکن صاحب الدر المنضود حضرت مولانا عاقل صاحب نے حضرت سفیان ثوری کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

جواب (د)

قال ابوداؤدؒ کی وضاحت:

یہاں قال ابوداؤدؒ کی وضاحت میں علماء کے دو قول ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ کی عبارت میں لفظ ''بیــــن'' بالتشدید صیغہ ماضی ہے جو کہ ''التبییــــن'' سے مشتق ہے اور لفظ ''اضعاف'' باب افعال کا مصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت قتیبہؒ نے حضرت جعفر بن ربیعہ کی حدیث کا ضعف بیان کیا ہے، لیکن یہاں اس قول کو مراد لینا درست نہیں ہے اس لئے[۳۱] حدیث کے تمام راوی نہ صرف ثقہ ہیں بلکہ یہ حدیث خود بھی مسلم شریف کی احادیث میں سے ہے، پس اس حدیث کو ضعف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں لفظ'' بین ''ظرف ہے اور لفظ'' اضعاف ''ضعف کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں اثناء الشیٔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے درمیان میں بیان کرنا، پس قال ابوداوٗدؒ سے امام ابوداوٗدؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ہمارے استاذ حضرت قتیبہؒ نے اگرچہ یہاں حضرت جعفر کی نسبت بیان نہیں کی ہے کہ یہ کون سے جعفر ہیں لیکن ان کی مراد جعفر بن ربیعہ ہیں، اور جعفر بن ربیعہ مراد لینے کے دو قرائن ہیں، پہلا قرینہ یہ ہے کہ حضرت قتیبہؒ نے یہ حدیث حضرت جعفر بن ربیعہ کی احادیث ہی کے ضمن اور اثناء (بمعنی درمیان) میں بیان کی ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں بھی جعفر سے حضرت جعفر بن ربیعہ مراد ہیں، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت قتیبہؒ کے ہم استاذ حضرت علیؒ بن عیاش، اور حضرت یونس بن محمد نے اپنی سندوں میں حضرت جعفر بن ربیعہ کی صراحت کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں قال ابوداوٗدؒ سے حضرت امام ابوداوٗدؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں جعفر نام کے جو راوی ہیں وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ ان سے جعفر بن ربیعہ مراد ہیں جو کہ ایک مشہور و معتبر راوی ہیں۔

﴿الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۱﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۳۸﴾

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: اِنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَاسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وَسلمَ اِنَّ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنْ هٰذا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي.

قَالَ أَبُوْدَاوٗدَؒ: وَزَادَ الْاَوْزَاعِيُّ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :اُسْتُحِيْضَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتِ جَحْشٍ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِيْنَ، فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صلى اللّٰهُ عليه وسلم قَالَ:

اَذَااَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ فَاِذَااَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّي، قَالَ اَبُوْدَاوٗدَؒ: وَلَمْ يَذْكُرْ هٰذَا الْكَلَام اَحَدٌمِنْ اَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ غَيْرَالاَوْزَاعِي، وَرَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَمْرُ بْنُ الْحَارِثِ وَاللَّيْثُ، وَيُوْنُسُ، وَابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ، وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعدٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ، وَابْنُ اِسْحَاقٍ، وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا هُنَا الْكَلَامِ، قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَؒ: وَاِنَّمَا هٰذَا لَفْظُ حَدِيْثِ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَؓ: قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَؒ: وَزَادَ اِبْنُ عُيَيْنَةَ فِيْهِ اَيْضاً اَمَرَهَا اَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا وَهُوَ وَهْمٌ مِنْ اِبْنِ عُيَيْنَةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مستحاضہ کی کتنی اقسام ہیں بیان کریں (ج) جمہور اصحاب زہریؒ، امام اوزاعیؒ اور حضرت سفیانؒ بن عیینہ کے بیانات میں کیا فرق ہے اس کو واضح کریں (د) '' وھذا لفظ حدیث ھشام '' کی وضاحت کریں کہ یہ لفظ کس عورت کیلئے ہے، اس کا تعلق حضرت ام حبیبہؓ سے ہے یا کسی اور عورت سے، سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کی سالی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی حضرت ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال تک (استحاضہ کا) خون آیا انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس کا مسئلہ معلوم کیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ حیض کا خون نہیں ہے بلکہ یہ رگ کا خون ہے لہٰذا غسل کر کے نماز ادا کرلو، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام اوزاعیؒ نے امام زہریؒ، عروۃؒ، اور عمرہؒ کے واسطے سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی حضرت ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال تک (استحاضہ کا) خون آتا رہا تو حضور علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ جب حیض کے ایام شروع ہوں تو نماز ترک کر دو اور جب یہ ایام ختم ہو جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لو، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں امام اوزاعیؒ کے علاوہ یہ بات امام زہریؒ کے کسی شاگرد نے بیان نہیں کی ہے جبکہ اس روایت کو امام

زہری سے عمرو بن الحارث، لیث یونس، ابن ابی ذئب، معمر، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، ابن اسحاق، اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن ان میں کسی نے بھی اس کلام کو ذکر نہیں کیا ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ تو صرف ہشام بن عروۃ عن عروۃ عن عائشہؓ (کی سند والی) حدیث میں ہیں، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عیینہؒ نے اس حدیث میں یہ زیادتی بھی بیان کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو (یعنی حضرت ام حبیبہؓ کو) نمازیں چھوڑنے کا حکم دیا تھا حالانکہ یہ زیادتی حضرت ابن عیینہؒ کا وہم ہے۔

جواب (ب)

مستحاضہ کی اقسام:

اس جزئیہ کا جواب سابقہ سوال کے تحت گذر چکا ہے۔

جواب (ج)

جمہور اصحاب زہریؒ، امام اوزاعیؒ اور حضرت سفیان بن عیینہ کے بیانات میں فرق:

واضح رہے کہ امام ابوداؤدؒ نے قال ابوداؤدؒ فرما کر یہاں جو بحث ذکر کی ہے اس میں اس حدیث کو روایت کرنے کے سلسلے میں جمہور اصحاب زہریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام سفیانؒ بن عیینہ کے بیانات کے مابین فرق کو بیان کیا ہے، فرق یہ ہے کہ جمہور اصحابِ زہری سے حضرت ام حبیبہؓ کے متعلق جو روایت منقول ہے اس میں نہ تو عورت کے ایام عادت کا ذکر ہے اور نہ حیض کے اقبال وادبار کا تذکرہ ہے جبکہ امام اوزاعیؒ نے اپنی سند سے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے حیض کے اقبال وادبار کو بیان کیا ہے اور ابن عیینہؒ نے اپنی سند سے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے اس میں عورت کے ایام عادت کو بیان کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں حضرات بھی اس روایت کو امام زہریؒ ہی سے روایت کرتے ہیں، پس اس اعتبار سے اگر اس حدیث کی سند میں غور کیا جائے تو دو غلطیاں پائی جاتی ہیں، پہلی غلطی حضرت امام اوزاعی کی ہے کہ انہوں نے امام زہری سے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس میں حیض کے اقبال وادبار کو ذکر کیا ہے اور دوسری غلطی ابن عیینہؒ کی ہے کہ انہوں اس میں ایام عادت کو بیان کیا ہے، حالانکہ اس روایت کے اس متن میں جو امام

زہری کی سند سے مروی ہے نہ تو ایام عادت کا ذکر ہے اور نہ ہی حیض کے اقبال وادبار کا کوئی تذکرہ ہے، اسی لئے حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اس روایت کو امام زہری سے ان کے بہت تلامذہ مثلاً عمر بن الحارث، لیث، یونس، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، اور ابن اسحاق، وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن انہوں اپنی روایات میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔

جواب (د)

وہذا لفظ حدیث ہشام کی وضاحت:

واضح رہیکہ حضرت امام ابوداؤدؒ اس جملہ سے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ رواۃ نے جو زیادتی اوپر والی حدیث میں ذکر کی ہے یہ اس میں نہیں ہے بلکہ یہ تو اس حدیث میں ہے جو ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہؓ کی سند سے منقول ہے اور حضرت فاطمہ بنت جحش کے متعلق ہے۔

﴿سوال ۵۲﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۴۳﴾

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ كَانَتْ نُفَسَاءُ عَلىٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِيْنَ يَوْماً وَأربعينِ لَيْلَةً وَكُنَّا نَطْلِي عَلىٰ وُجُوْهِنَا الْوَرْسَ تَعْنِيْ مِنَ الْكَلْفِ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) نفاس کی اقل مدت اور اکثر مدت میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں نفاس والی عورتیں چالیس دن اور چالیس رات (نماز سے رک کر) بیٹھتی تھیں اور ہم اپنے چہرے پر ورس (ایک قسم کی خوشبودار گھاس) کو چہرے کی جھائیاں دور کرنے کیلئے مَلا کرتے تھے۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس روایت کا مطلب ترجمہ سے بالکل واضح ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں نفاس والی عورتیں زچگی کے بعد چالیس دن اور چالیس رات نفاس میں مبتلا رہتی تھیں اور اس مدت میں نماز وغیرہ ترک کر کے پاک ہونے کے انتظار میں رہتی تھیں اور جب پاک ہوتیں تو معمول یہ تھا کہ چہرے کی خشکی اور جھائیاں دور کرنے کیلئے ورس نامی ایک خوشبودار گھاس چہرے پر ملا کرتی تھیں۔

جواب (ج)

نفاس کی اقل اور اکثر مدت میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

واضح رہیکہ نفاس کی اقل مدت باتفاق ائمہ متعین نہیں ہے، بچہ کی پیدائش کے بعد خون کا ایک ہی مرتبہ آ کر رکنا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے خون بالکل ہی نہ آئے، البتہ اس کی اکثر مدت فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور علماء کا ہے، ان حضرات کے نزدیک نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، یہی ایک روایت حضرت امام مالکؒ کی بھی ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ، امام شعبیؒ، اور حضرت عطاء کا ہے، ان حضرات کے نزدیک نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے، یہی ایک روایت امام مالکؒ کی بھی ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے وجہ استدلال یہ کہ اس حدیث میں صراحت کے ساتھ نفاس والی عورت کے چالیس دن اور

چالیس رات نمازیں ترک کرنے کا بیان ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاس کی اکثر مدت چالیس دن اور چالیس رات ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

واضح رہیکہ اس مسئلہ میں مذہب دوم کے قائلین کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی شراح حدیث نے ان کی جانب سے کسی نقلی دلیل کو بیان کیا ہے، بلکہ شرح ترمذی میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بھی صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات نے کس دلیل کی بنیاد پر اس مسلک کو اختیار کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے زمانے کی عورتوں کی عادات کو دیکھ کر اور اپنے تجربات کی روشنی میں اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۳﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۴۵﴾

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وَسلمَ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَاُنَاساً مَعَهُ فِيْ طَلَبِ قِلادَةٍ اَضَلَّتْهَا عَائِشَةُ فَحَضَرَتِ الصَّلاةُ فَصَلُّوْا بِغَيْرِ وُضُوْءٍ فَأَتَوُا النَّبِيَّ صلى اللّٰهُ عليه وسلمَ فَذَكَرُوْا ذَالِکَ لَهُ فَأَنْزَلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ: زَادَ ابْنُ نُفَيْلٍ فَقَالَ لَهَا اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، يَرْحَمُکِ اللّٰهُ مَانَزَلَ بکِ اَمْرٌ تُكْرَهِيْنَهُ اِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلکِ فِيْهِ فرجاً۔

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب تحریر کریں (ب) فاقد الطہورین کے بارے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (ج) آیت تیمم سے کس سورۃ کی آیت مراد ہے اس کو بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیرؓ اور

ان کے ساتھ دوسرے کئی لوگوں کو وہ ہار تلاش کرنے کے لئے بھیجا جو حضرت عائشہؓ نے گم دیا تھا نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، پھر (لوگ) حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور آپؐ سے (بغیر وضو نماز پڑھنے کا واقعہ) بیان کیا تو آیت تیمم نازل ہوئی۔ ابن نفیل نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تمہارے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جو تمہیں ناگوار ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس (بات) میں مسلمانوں کے لئے اور تمہارے لئے بھلائی اور آسانی عطاء فرما دیتے ہیں۔

مطلب الحدیث

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی کہ مقام ذات الجیش یا مقام بیداء میں میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کو تلاش کرنے کی وجہ سے وہاں قیام کرنا پڑا، رات میں ہار کی تلاش دشوار تھی اس لئے صبح کا انتظار کیا گیا لیکن یہ مقام ایسا تھا کہ یہاں پانی نہیں تھا، صبح ہوئی تو لوگوں کو پریشانی ہوئی کہ پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے اور نماز کا وقت ہو گیا، اس پریشانی میں لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور شکایت کی کہ کیا آپؓ کو معلوم نہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وجہ سے کیا ہو رہا ہے، ہم ایسی جگہ رُکے ہوئے ہیں جہاں پانی بھی نہیں ہے حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہؓ کو ملامت کرنی شروع کردی جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو ملامت کی اس وقت حضور علیہ السلام سو رہے تھے، پس جب آپ بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے تیمّم کر کے نماز ادا فرمائی۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر جن کو ہار ہلاش کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا انہوں نے آیت تیمّم نازل ہونے پر حضرت عائشہ کو مبارک باد پیش فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تمہارے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جو تمہیں ناگوار ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے اور مسلمانوں کے لئے بھلائی اور آسانی پیدا فرما دی یعنی ایک مرتبہ کی پریشانی پیش آنے پر مستقل دستور نازل فرما دیا تا کہ آئندہ ایسی صورت میں کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ ہو سکے۔

جواب (ب)

فاقد الطہورین کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

فاقد الطہورین کے متعلق ائمہ کے چار مذاہب ہیں ہے.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، آپ کے نزدیک فاقد الطہورین پر فی الفور نماز ادا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے۔

آپؒ نے اپنے اس مسلک پر حدیث نبوی ''لاتقبل صلاۃ بغیر طہور'' سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز بغیر پاکی کے قبول نہیں کی جاتی ہے اور فاقد الطہورین بھی بغیر طہارت ہی کے ہوتا ہے اس لئے اگر یہ نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوگی، پس بایں وجہ اس پر فی الفور نماز ادا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعد میں جب یہ طہارت حاصل کرنے پر قادر ہو جائے جب نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

واضح رہیکہ احناف میں سے حضرات صاحبینؒ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ۔ فاقد الطہورین اگر چہ فی الفور نماز ادا نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس وقت نماز کا اہل نہیں ہے البتہ اس پر تشبیہ بالمصلین اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ امتثال امر حاصل ہو جائے، واضح رہیکہ حضرات صاحبین کا یہی مذہب از روئے فقہ زیادہ راجح ہے اور حضرت امام اعظم کا بھی اسی کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے اور احناف کے یہاں اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام مالکؒ کا ہے آپؒ کے نزدیک فاقد الطہورین پر نہ تو فی الفور نماز ادا کرنا لازمی ہے اور نا ہی بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے۔ آپ کی اپنے اس مسلک پر دلیل یہ ہے کہ فاقد الطہورین ایسا شخص ہے جو نماز کا اہل ہی نہیں ہے اس لئے کہ نماز کی اہلیت طہارت کے ساتھ آتی ہے اور یہاں طہارت موجود نہیں ہے پس اس سے نماز کی ادا اور قضاء دونوں ساقط ہیں۔

مذہب سوم:

تیسرا مذہب حضرت امام شافعی کا ہے آپؒ فرماتے ہیں کہ فاقد الطہورین فی الحال بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھے لے اور جب طہارت حاصل ہو جائے تو اس کی قضاء بھی کرلے۔

آپؒ نے اپنے اس مسلک پر حدیث نبوی اذا امرتکم بشیء فخذو امنہا ما استطعتم

سے استدلال کیا ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے آدمی کو اس کی استطاعت کے ساتھ احکام پر عمل کرنے تاکید کی ہے اور فاقد الطہورین بغیر طہارت کے نماز ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے س لئے یہ فی الحال بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھیگا اور بعد میں اصول کے مطابق طہارت کے ساتھ اس کی قضاء کریگا۔

مذہب چہارم:

چوتھا مذہب حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا ہے آپؒ کے نزدیک فاقد الطہورین پر فی الحال بغیر طہارت ہی نماز پڑھنا ضروری ہے رہی بعد میں قضاء تو وہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

آپؒ اپنے اس مسلک پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ فاقد الطہورین اس وقت صرف اس بات پر قادر ہے حکم ربی کی تعمیل بغیر طہارت کے کرلے پس اس پر اسی حالت میں نماز ادا کرنا ضروری ہے اور چونکہ اس کی نماز اسی حالت میں معتبر ہوجاتی ہے اس لئے اس پر بعد میں نماز کی قضاء کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

جواب (ج)

آیت تیمّم سے کس سورت کی آیت مراد ہے:

واضح رہیکہ آیت تیمّم سے پارہ ۶ سورہ مائدہ کی آیت ''وان كنتم مرضى او على سفر اوجاء احد منكم من الغائط اولامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا'' مراد ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۴۷﴾

عَنْ عَمَّارِبْنِ يَاسِرٍ قَالَ :سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلمَ عَنِ التَّيَمُّمِ فَأَمَرَ نِي بِضَرْبَةٍ وَاحِدَةٍ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ ۔

(الف) حدیث شریف باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ضربات تیمم میں مذاہب ائمہ

مدلل تحریر کریں (ج) تیمم میں مسح مرفقین تک ضروری ہے یا کفین اور رسغین پر کافی ہے جس شق کو اختیار کریں مدلل فرمائیں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمم کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے مجھے چہرے اور کفین کے لئے ضرب واحد کا حکم فرمایا۔

جواب (ب)

ضربات تیمّم میں ائمہ کے مذاہب:

تیمّم کی کتنی ضربیں ہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ اس مسئلہ میں انکے دو مذاہب ہیں...

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک تیمّم کی دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے ہے اور دوسری ہاتھوں کیلئے ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے آپ کے نزدیک تیمّم کی صرف ایک ضرب ہے اور یہی ایک ضرب چہرے اور ہاتھوں کیلئے کافی ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر حدیث "**التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین**" سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس روایت میں حضور علیہ السلام نے چہرے اور ہاتھوں کیلئے دو الگ الگ ضربوں کا ذکر فرمایا ہے، پس اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تیمّم کیلئے دو ضربیں ہیں۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائل حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے اس روایت میں تیمم کیلئے صرف ایک ضرب کا تذکرہ ہے اور یہ روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس لئے تیمم میں صرف ایک ضرب ہے دو نہیں ہیں۔

مذہب دوم کی مذکورہ دلیل کا جواب:

حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، ائمہ ثلاثہ کی جانب سے اس روایت کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ نے جنابت سے پاک ہونے کیلئے اپنے پورے بدن پر مٹی لگا کر تیمم کیا تھا اور پھر اس کے بعد حضور علیہ السلام سے آکر اس کا اصل مسئلہ معلوم فرمایا تھا تو حضور علیہ السلام نے ان کو اشارۃ بتا دیا تھا کہ جنابت سے پاک ہونے کیلئے کسی الگ طریقہ سے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھ اور چہرے پر مسح کر لیا جائے، پس اصل بات یہ ہے اس روایت میں تیمم کا مکمل طریقہ بیان نہیں کیا گیا ہے، اس لئے اس روایت سے استدلال کرنا تام نہیں ہے۔

جواب (ج)

کیا تیمم میں ہاتھوں کا مسح کرنا مرفقین تک ضروری ہے؟:

تیمم میں ہاتھوں پر مسح کرنا کہاں تک ضروری ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے ، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کا فرمانا تو یہ ہے کہ تیمم میں مرفقین تک مسح کرنا ضروری ہے اور اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے حضرت ابن عمرؓ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں ''التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين '' وجہ استدلال یہ کہ اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ تیمم میں مرفقین تک مسح کرنا ضروری ہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح کرنا صرف رسغین (یعنی گٹوں) تک کافی ہے، آپ نے اپنے اس مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جیسا کہ گذر چکا ہے کہ آپؒ کا اس روایت سے استدلال کرنا تام نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۵﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۴۷﴾

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: اِجْتَمَعَتْ غُنَیْمَةٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ علیه وسلم فَقَالَ: یَا أَبَاذَرٍّ! أُبْدُ فِیْهَا فَبَدَوْتُ اِلَی الرَّبْذَةِ فَکَانَتْ تُصِیْبُنِیَ الْجَنَابَةُ، فَأَمْکُثُ الْخَمُسَ وَالسِّتَّ فَأَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللّٰهُ علیه وسلم، فَقَالَ أَبُوْذَرّ: فَسَکَتُّ، فَقَالَ ثَکِلَتْکَ امک أَبَاذَر لِأُمِّکَ الْوَیْلُ، فَدَعَا لِیْ بِجَارِیَةٍ سَوْدَاءَ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ فِیْهِ مَاءٌ فَسَتَرَتْنِیْ بِثَوْبٍ وَاسْتَتَرْتُ بِالرَّاحِلَةِ وَاغْتَسَلْتُ، فَکَأَنِّیْ أَلْقَیْتُ عَنِّیْ جَبَلاً فَقَالَ: اَلصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ اِلٰی عَشَرَ سِنِیْنَ، فَاِذَا وَجَدْتَّ الْمَاءَ فَاَمِسَّهُ جِلْدَکَ فَاِنَّ ذَالِکَ خَیْرٌ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صعیدِ طیب سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف سوچ کر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بکریاں جمع ہوگئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! ان کو جنگل لے جاؤ، چنانچہ میں (ان بکریوں کو لیکر) مقام ربذہ کی طرف جنگل میں چلا گیا، وہاں مجھے غسل کی حاجت ہوتی تو میں پانچ پانچ، چھ چھ روز یوں ہی رہا کرتا (یعنی پانی نہ ہونے کی وجہ سے غسل نہیں کرتا تھا) جب میں آپ علیہ السلام کے

پاس آیا (اور میں نے آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! میں خاموش رہا، آپؐ نے فرمایا کہ کہو تمہیں تمہاری ماں روئے اور تمہاری خرابی ہو، پھر آپؐ نے ایک کالی باندی کو بلایا جو پیالے میں پانی لےلیکر آئی اس نے میرے لئے ایک کپڑے کی آڑ کی اور دوسری جانب سے میں ایک اونٹ کی آڑ کی اور میں نے غسل کیا (غسل کرتے ہی) گویا میرے اوپر سے ایک پہاڑ اتر گیا، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگر چہ (وہ) دس برس تک پانی نہ پائے، پس جب پانی ملے تو اس کو اپنے بدن پر لگالے یہ بہتر ہے۔

جواب (ب)

صعید طیب سے کیا مراد ہے؟ اس میں فقہاء کے اختلاف کی تفصیل:

صعید طیب سے تیمّم کرنا بالاتفاق جائز ہے، لیکن صعید طیب سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ صعید طیب سے ''وجه الارض'' مراد ہے، پس ان دونوں کے نزدیک تیمّم صرف مٹی ہی سے کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو اور گرم کرنے پر نہ جلے نہ پگھلے اور نہ راکھ بنے اس سے تیمّم کرلینا جائز ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صعید طیب سے مراد صرف تراب یعنی مٹی ہے، پس ان حضرات کے نزدیک صرف اسی سے تیمّم کرنا جائز ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے جائز نہیں ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

---

(۱) السمح المحمود ۱۶۳/۲۵

﴿سوال ۵۶﴾

﴿سنن ابی داود صفحہ ۴۹﴾

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِؓ الْخُدْرِیِّ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَیْسَتْ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوۃَ وَالْوُضُوْءَ وَلَمْ یُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ أَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَذَکَرَا ذَالِکَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِد أَصَبْتَ السُّنَّۃَ وَأَجْزَاتْکَ صَلٰوتُکَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّأَ وَاَعَادَ لَکَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ۔

(الف) حدیث شریف اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حضور علیہ السلام کے ارشاد سے دونوں کا عمل صحیح معلوم ہوتا ہے آپ بتائیں کہ یہ شخص نماز کا اعادہ کرے گا یا نہیں شرعی حکم تحریر کریں ۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو شخص سفر میں گئے، نماز کا وقت ہو گیا اور پانی نہ ملا تو دونوں نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر اس نماز کے وقت کے اندر ہی انہیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے تو وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا اور دوسرے نے نہیں کیا، پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا کہ تم نے سنت پر عمل کیا اور اس شخص سے جس نے وضو کر کے اعادہ کر لیا تھا فرمایا کہ تمہارے لئے دوہرا ثواب ہے۔

جواب (ب)

تیمّم کر کے نماز ادا کرنے کے بعد اگر پانی ملے تو کیا حکم ہے؟:

واضح رہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں حضور علیہ السلام کے ارشاد سے یہ معلوم ہوتا ہے اگر کوئی

شخص پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کرے اور پھر اسی نماز کے وقت میں اسے پانی مل جائے تو اس کے لئے وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں، لیکن اس مسئلہ میں حضرات ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے ایسی صورت میں اس پر نماز کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے، ان حضرات نے اپنے اس مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس روایت میں حضور علیہ السلام نے اس شخص کو جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا سنت پر عمل کرنے والا بتایا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو ایسی صورت پیش آجائے تو سنت یہی ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ کرنا واجب نہیں ہے۔

﴿سوال ۵۷﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۴۹﴾

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدَرِیِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صلی اللّٰهُ علیه وسلم قَالَ: غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) جمعہ کا غسل کرنا واجب ہے یا مسنون، نیز یہ غسل یوم جمعہ کے لئے ہے یا نماز جمعہ کے لئے، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال کی تفصیل تحریر کریں (ج) اس صریح روایت کے ہوتے ہوئے جمہور فقہاء نے جمعہ کے دن غسل کرنے کو واجب قرار کیوں نہیں دیا، اس کا جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر بالغ شخص پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

جواب (ب)

جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم:

جمہور فقہاء کرام بالخصوص ائمہ اربعہ کے نزدیک ان کے مشہور اقوال میں جمعہ کے دن غسل کرنا

سنت ہے، البتہ حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول اس کے واجب ہونے کا بھی ہے۔

واضح رہیکہ اس مسئلہ میں أئمہ اربعہ کی دلیل حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث ہے، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے "**من توضأ یوم الجمعة فیها ونعمت ومن اغتسل فالغسل أفضل**" "جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ اس روایت میں حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دنوں وضو اور غسل کرنے کے درمیان اختیار دیا ہے، پس اگر اس دن غسل کرنا واجب ہوتا تو آپؐ اختیار ہرگز عطا نہ فرماتے آپؐ کا اختیار دینا ہی اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔

جمعہ کے دن غسل کرنا یوم جمعہ کیلئے ہے یا نماز جمعہ کیلئے؟:

جمعہ کے دن غسل کرنا أئمہ اربعہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کیلئے مسنون ہے البتہ احناف میں سے حضرت امام محمدؒ اور حسن بن زیادؒ کا قول یہ ہے کہ یوم جمعہ کیلئے غسل کرنا مسنون ہے۔

جواب (ج)

اس صریح روایت کے ہوتے ہوئے جمہور عدم وجوب کے قائل کیوں ہیں؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ فی السوال جیسی صریح روایت کے ہوتے ہوئے جمہور جمعہ کے دن غسل کے عدم وجوب کے قائل کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور جمعہ کے دن غسل واجب نہ ہونے کے اس لئے قائل ہیں کہ اس روایت کے علاوہ اکثر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں، اور رہی یہ روایت تو یہ بھی جمہور کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کے مسنون اور مستحب ہونے ہی کی دلیل ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۵۸﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۵۲﴾

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَدْ كَانَ يَكُونُ لِاحْدَانَا الدِّرْعَ فِيهِ تَحِيضُ وَفِيهِ تُصِيبُهَا الْجَنَابَةَ، ثُمَّ تَرَىٰ فِيهِ قَطْرَةً مِنْ دَمٍ فَتَقُصُّهُ بِرِيقِهَا۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) دم حیض اور دیگر نجاسات کو زائل کرنے کیلئے پانی کا استعمال کرنا شرط ہے یا دیگر مائعات سے بھی ان کو زائل کر سکتے ہیں اس میں ائمہ کا اختلاف نقل کریں (ج) یہ حدیث ائمہ میں سے کس کی دلیل ہے اور اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے کسی کے پاس صرف ایک کرتا ہوتا تھا اسی کو حیض میں پہن لیتی تھیں اور اسی میں جنابت ہوتی تھی، پس اگر اس میں ایک قطرہ خون کا الگ جاتا تو اس کو اپنا تھوک لگا کر صاف کر لیتی تھی۔

جواب (الف)

کیا دم حیض اور دیگر نجاسات کو زائل کرنے کیلئے پانی شرط ہے؟:

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدن یا کپڑے پر لگے ہوئے دم حیض یا کسی بھی دیگر نجاست کو زائل کرنے کیلئے پانی کا استعمال کرنا شرط نہیں ہے بلکہ نجاست کو دور کر دینے والی کسی بھی ایسی مائع چیز سے جو پاک کرنے کی صلاحت رکھتی ہو نجاست کو زائل کر دینا جائز ہے، اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدن یا کپڑے پر سے دم حیض یا دیگر نجاست کو دور کرنے کیلئے پانی کا استعمال کرنا شرط ہے، کسی اور مائع چیز سے ان کو دور کرنا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں اپنے مسلک پر حضرت عائشہؓ کی

مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے،اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ صحابیات کپڑے پر لگ جانے والے دم حیض کے قطرات کو تھوک سے صاف کرلیا کرتی تھیں، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بدن یا کپڑے پر لگی ہوئی نجاست کو دور کرنے کیلئے پانی کا استعمال کرنا شرط نہیں ہے بلکہ کسی بھی پاک مائع چیز سے اس کو دور کیا جاسکتا ہے۔

اب رہے حضرات أئمہ ثلاثہ تو انھوں نے اپنے مسلک پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں پانی کے ذریعہ نجاست کو دور کرنے کا حکم وارد ہوا ہے،اور اس طرح کی روایات کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں،لیکن احناف ان احادیث کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ پانی سے نجاست دور کرنے کا حکم اس وقت ہے جب نجاست کپڑے میں سرایت کرجائے اور جب تک سرایت نہ کرے تو اس کو کسی بھی پاک مائع چیز سے دور کرنا جائز ہے۔

جواب (ج)

اس حدیث کیا ثابت ہوتا ہے؟:

واضح رہے کہ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کپڑے پر لگی ہوئی نجاست پانی کے علاوہ کسی بھی پاک مائع چیز سے زائل کی جاسکتی ہے۔

﴿تم الجوب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۹﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۵۳﴾

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا يُصَلِّيْ فِيْ شُعُرِنَا اَوْلُحُفِنَا قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ شَكَّ اَبِيْ۔

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) لفظ سیرین منصرف ہے یا غیر منصرف اس کو تحریر کریں (ج) ''شعر ''اور'' لحف'' سے کیا مراد ہے اور حضور علیہ السلام ان کپڑوں میں نماز کس لئے نہیں پڑھتے تھے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمارے شعار یا لحاف میں نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں میرے والد کو اس بات میں شک ہے حضرت عائشہؓ نے لفظ شعار فرمایا تھا یا لفظ لحاف فرمایا تھا (یعنی ان میں سے ایک فرمایا تھا)

جواب (ب)

لفظ سیرین منصرف ہے یا غیر منصرف؟:

لفظ سیرین نحوی اصول کے مطابق علم اور عجمہ ہونے کی بنیاد پر غیر منصرف ہے۔

جواب (ج)

شعر اور لحف کی تحقیق:

واضح رہیکہ شعر، شعار کی جمع ہے اور شعر اور لحف بدن کے اوپر اوڑھے جانے والے کپڑوں مثلاً چادر رومال اور لحاف وغیرہ کو کہتے ہیں۔

حضور علیہ السلام ان کپڑوں میں نماز کیوں نہیں پڑھتے تھے؟:

واضح رہے کہ حضور علیہ السلام ان کپڑوں میں اس اندیشہ کے پیش نظر نماز نہیں پڑھتے تھے کہ کہیں ان پر حیض کا خون یا اور کوئی ناپاک چیز لگی ہوئی نہ ہو، کما قال المحشی فی حاشیته فقال: انما امتنع من الصلوٰة فیها مخافة ان یکون اصابها شئی من دم الحیض۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



(۱) حاشیۃ سنن ابی دواؤد ۱/۵۳.

﴿سوال ۶۰﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۵۳﴾

حَـمَّـادٌ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَادِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى اللّٰهِ عليه وسلمَ فَيُصَلِّيْ فِيْهِ.قَالَ أَبُوْ دَاوٗدَ: وَافَقَهُ مُغِيْرَةُ وَابُوْمَعْشَرٍ وَوَاصِلٌ،وَرَوَاهُ الْاَعْمَشُ كَمَا رَوَاهُ الْحَكَمُ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) منی کی طہارت اور نجاست کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (ج) قال ابوداؤدؒ کی مراد واضح کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے کپڑے پر سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں اور آپؐ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حماد بن سلیمان کی موافقت حضرت مغیرۃؒ، ابومعشرؒ اور واصلؒ نے کی ہے اور حضرت سلیمانؒ نے اس روایت کو امام اعمشؒ سے حکمؒ کی طرح بیان کیا ہے۔

جواب (ب)

منی کی طہارت اور نجاست میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

منی پاک ہے یا ناپاک اس سلسلے میں فقہاء کرام میں اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے دو مذاہب ہیں....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک منی ناپاک ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک منی پاک ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر صحیح ابن حبان کی روایت سے استدلال کیا ہے، صحیح ابن حبان میں حضرت جابرؓ بن سمرہ سے مروی ہے ''سأل رجل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أصلی فی ثوب الذی أتی فیہ أھلہ؟قال: نعم الا ان تری فیہ شیئا فتغسلہ'' ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے معلوم کیا کہ کیا میں اس کپڑے میں نماز ادا کرسکتا ہوں جسے پہن کر میں نے بیوی سے مجامعت کی ہو تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (نماز پڑھ سکتے ہو) لیکن اگر کچھ (منی وغیرہ کا قطرہ) اس میں لگا ہوا دیکھو تو اس کو دھولو۔ اس روایت سے مذہب اول کے قائلین نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ دیکھو! حضور علیہ السلام نے کپڑے پر منی لگ جانے کی صورت میں اس کو دھونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے کیونکہ اگر یہ پاک ہوتی تو آپ علیہ السلام اس کو دھونے کا حکم ارشاد نہ فرماتے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، اور استدلال بایں طور کیا ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ حضور علیہ السلام کے کپڑے سے منی کو کھرچ کر صاف کردینے اور پھر اسی کپڑے میں آپ علیہ السلام کے نماز ادا کرنے کی خبر دے رہی ہیں، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منی پاک ہے کیونکہ اگر منی ناپاک ہوتی تو حضور علیہ السلام منی لگے ہوئے کپڑے کو دھونے کا حکم ضرور ارشاد فرماتے، پس آپ علیہ السلام کا منی کھرچ کر صاف کئے ہوئے کپڑے کو پہن کر نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ منی پاک ہے۔

مذہب دوم کی دلیل کا جواب:

لیکن واضح رہیکہ مذہب اول کے قائلین کی جانب سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی اس دلیل کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جناب حضرت عائشہؓ نے اس روایت میں حضور علیہ السلام کے کپڑے سے جس منی کو کھرچ کر صاف کرنے کی خبر دی ہے وہ منی انتہائی غلیظ اور گاڑھی ہوتی

تھی جو کپڑے کے اندر سرایت نہیں کرتی تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر نجاست اتنی گاڑھی ہو کہ کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے تو اس کو کپڑے پر سے کھرچ دینے ہی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے، اس کو پانی سے دھونا ضروری نہیں ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں آتا کہ وہ نجس شئی پاک ہے پس اسی طرح یہاں بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے کپڑے پر لگی ہوئی منی اتنی غلیظ ہوتی تھی کہ کپڑے پر سے اس کو کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا تھا، لیکن اس سے منی کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

جواب (ج)

قال ابوداؤدؒ کی کیا مراد ہے؟:

یہاں قال ابوداؤدؒ سے امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کی سند میں واقع ہونے والے اختلاف کی جانب اشارہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو حضرت ابراہیم نخعیؒ سے لوگوں نے روایت کیا ہے جن میں سے ایک حضرت حکمؒ ہیں اور دوسرے حضرت حماد بن سلیمان ہیں، اب اختلاف یہ ہوتا ہے کہ حضرت حکمؒ جب اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو اپنے استاد حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہمام بن حارث کا واسطہ بیان کرتے ہیں ،اور حماد بن سلیمان جب روایت کرتے ہیں تو حضرت اسودؒ کا واسطہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں حضرت مغیرةؒ، ابومعشرؒ اور واصلؒ نے اس روایت کو بیان کرنے میں حضرت حمادؒ بن سلیمان کی متابعت کی ہے جبکہ حضرت حکمؒ کی صرف حضرت اعمشؒ نے موافقت کی ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۱﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۵۴﴾

عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ: كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي حُجْرِ

(۱) السمح المحمود ۲/۲۳۹.

رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰهِ علیه وسلمَ فَبَالَ عَلَیْهِ، فَقُلْتُ اُلْبسْ ثَوْباً وَأَعْطِنِیْ إِزَارَکَ حَتّٰی أغْسِلُهُ، قَالَ: اِنَّمَایغسل مِنْ بُوْلِ الْاُنْثٰی وَیُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّکَرِ۔

(الف) حدیث شریف با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) بول صبی اور صبیہ کی تطہیر میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل تحریر کریں (ج) یہ حدیث اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کا جواب بھی تحریر کریں (د) لفظ نضح کے کیا معنی ہیں اس کی تعیین کر کے بتائیں کہ احناف کیا معنی مراد لیتے ہیں

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت لبابہ بنت حارث سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضرت حسینؓ بن علیؓ حضور علیہ السلام کی گود میں تھے انہوں نے آپؐ پر پیشاب کر دیا، میں نے عرض کیا کہ آپؐ دوسرا کپڑا پہن لیں اور اپنے اس ازار کو (جس پر حضرت حسینؓ نے پیشاب کیا ہے) مجھے دیدیں تا کہ میں اس کو دھو دوں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دھویا تو لڑکی کے پیشاب کو جاتا ہے (رہا) لڑکے کا پیشاب (تو اس) پر (صرف) چھینٹا مارا جاتا ہے۔

جواب (ب)

بول صبی کی تطہیر میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل:

واضح رہے کہ بچہ اور بچی کا پیشاب جمہور فقہاء کے نزدیک ناپاک ہے، یہ اگر کسی کپڑے پر لگ جائے تو اس کو پاک کرنا ضروری ہے، لیکن پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں.....

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک بچہ اور بچی دونوں کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے، البتہ بچہ کا پیشاب دھونے میں بچی کے بالمقابل کم مبالغہ کیا جا سکتا ہے۔(۱)

(۱) السمح المحمود ۲/........

مذہب دوم:

دوسرا مذہب حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک بچی کے پیشاب کو مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے جبکہ بچے کے پیشاب میں صرف چھینٹا مار دینا کافی ہے۔

مذہب اول کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب اول کے قائلین نے اپنے مسلک پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ احادیث عام ہیں اور ان میں کسی خاص پیشاب کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے ہر طرح کا پیشاب ناپاک ہے اور اس سے بچنا اور اگر وہ کپڑے پر لگ جائے تو اس کو اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔

نیز ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بچہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا اس نے آپؐ پر پیشاب کر دیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''صبوا علیه الماء صبا '' اس پر اچھی طرح پانی بہادو، اس روایت سے ان حضرات کا استدلال بالکل واضح ہے اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کے پیشاب کو بھی بچی کے پیشاب کی طرح مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہ استدلال:

مذہب دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس روایت میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ (اچھی طرح) دھونے کا حکم تو بچی کے پیشاب میں ہے، رہا بچہ کا پیشاب تو اس میں صرف چھینٹا مار دینا بھی کافی ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ فی السوال حدیث کا جواب:

واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، اس لئے احناف اس

حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں لفظ نضح چھینٹا مارنے کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ مراد لیتے ہیں بلکہ غسل خفیف کے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ بچہ کے پیشاب میں غسل خفیف بھی کافی ہو جاتا ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بچہ کے پیشاب کو انتہائی مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ خفیف سا دھو لینا بھی کافی ہے۔

لفظ نضح کے معنی کی تعیین:

واضح رہے کہ بچہ یا بچی کے پیشاب کو دھونے کے سلسلے میں احادیث کے اندر پانچ الفاظ آتے ہیں ان میں ایک لفظ ''نــضــح'' ہے، علماء فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) پیشاب پر پانی کا چھینٹا مارنا (۲) صب الماء، پیشاب پر ہلکا سا پانی بہا دینا، احناف اس کے یہی دوسرے معنی مراد لیتے ہیں اور بچہ کے پیشاب میں غسل لازم قرار دیتے ہیں۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۲﴾

﴿سنن ابی داوٗد صفحہ ۵۴﴾

ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ اِنْ بَالَ فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَاَسْرَعَ النَّاسُ اِلَيْهِ، فَنَهَاهُمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ، وَقَالَ اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ، صَبُّوْا عليه سَجْلاً مِنْ مَاءٍ أو قَالَ ذَنُوباً مِنْ ماءٍ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) محل نجاست کی تطہیر کے لئے پانی متعین ہے یا ہر اس چیز سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے جس سے نجاست کا ازالہ ہو جائے، ائمہ کے مذہب اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب مع دلائل تحریر کریں (ج) زمین کے پاک کرنے کی احناف کے یہاں کیا کیا صورتیں ہیں، سوچ کر تحریر کریں (د) کیا مذکورہ حدیث احناف کے خلاف ہے؟ اگر خلاف ہے تو احناف کی طرف سے اس کا جواب دیں اور اگر خلاف نہیں ہے تو اس کو بھی مدلل تحریر کریں (ھ) عبداللہؓ بن مغفل ابن مقرن کی حدیث میں اس واقعہ کے تحت تطہیر ارض کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ اس حدیث کے

(۱) السمح المحمود ۲/۲۵۶.

خلاف ہے آپ پہلے اس کیفیت کوتحریر کریں پھر دونوں حدیثوں میں تطبیق دیں (و) بعثت نبی کی ہوتی ہے اس حدیث میں اس کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے آپ اس کی وضاحت کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

(ایک مرتبہ ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں آئے) تھوڑی دیر مسجد میں رکے اور پھر مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کردیا، لوگ ان کی طرف (منع کرنے کو) دوڑے لیکن آپ علیہ السلام نے لوگوں کو روک دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں پر آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو دشواری کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے، اس (پیشاب) پر پانی کا ایک ڈول بہادو (یا آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا) کہ پانی کا بھرا ہوا ڈول اس پر بہادو۔

جواب (ب)

کیا نجاست کی تطہیر کیلئے پانی متعین ہے؟:

محل نجاست کی تطہیر کیلئے پانی متعین ہے یا کسی بھی ایسی چیز سے جو نجاست کو زائل کرنے والی ہو پاکی حاصل کی جاسکتی ہے؟ اس کو سمجھنے کیلئے اولاً یہ بات یادرکھیں کہ نجاست اپنے اجزاء کے اعتبار سے دو قسم پر ہے (۱) ایک وہ نجاست ہے جس کے اجزء زمین میں سرایت نہیں کرتے (۲) دوسری وہ نجاست ہے جس کے اجزاء زمین میں سرایت کرجاتے ہیں، پس نجاست اگر پہلی قسم کی ہے تو زمین سے نجاست کے زائل کردینے سے زمین بالاتفاق پاک ہوجاتی ہے اور اگر نجاست دوسری قسم کی ہے تو اس کے طریقہ تطہیر میں أئمہ کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں أئمہ کے دو مذاہب ہیں......

مذہب اول:

پہلا مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، آپ کے نزدیک ایسی نجاست سے زمین کو پاک کرنے کا طریقہ جس کے اجزء زمین میں سرایت کرجائیں تین ہیں اور تینوں طریقے احادیث سے ثابت ہیں (۱) پہلا طریقہ ''جفاف'' ہے یعنی زمین کا خشک ہوجانا، پس ناپاک زمین خشک

ہوجانے کے بعد خود بہ خود پاک ہوجائیگی واضح رہیکہ اس طریقہ کی دلیل حضرت عائشہؓ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عائشہؓ حضور علیہ السلام کا فرمان نقل کرتی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے ''ذکلۃ الارض یبسھا '' زمین کی پاکی اس کا خشک ہوجانا ہے (۲) دوسرا طریقہ ''صب الماء '' ہے یعنی زمین پر پانی کو بہادینا اس سے بھی ناپاک زمین پاک ہوجائیگی اس طریقہ کی دلیل مذکورہ فی السول روایت ہے (۳) تیسرا طریقہ '' حفر الارض '' ہے یعنی زمین کے ناپاک حصہ کو کھود دینا اس سے بھی ناپاک زمین پاک ہوجائیگی، اس طریقہ کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ''خذوا ما بال علیه من التراب فألقوه ، الخ '' ہے۔

مذہب دوم:

دوسرا مذہب ائمہ ثلاثہ حضرت امام لکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک ایسی نجاست سے زمین پاک کرنے کا طریقہ جس کے اجزء زمین میں سرایت کرجائیں صرف ''صب الماء علی الارض ''یعنی ناپاک زمین پر پانی کو بہانا ہے، ان حضرات کے نزدیک زمین میں سرایت کرجانے والی نجاست سے اس طریقہ کے علاوہ زمین پاک نہیں ہوگی۔

واضح رہیکہ ان حضرات نے اپنے اس مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ناپاک زمین پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں سرایت کرجانے والی نجاست سے زمین کو پاک کرنے کا یہی طریقہ ہے اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے زمین پاک نہیں ہوگی۔

جواب (د)

کیا مذکورہ حدیث احناف کے خلاف ہے؟:

واضح رہیکہ مذکورہ فی السوال یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ناپاک زمین کی تطہیر کے طریقوں میں سے صرف ایک طریقے کو بیان کیا گیا ہے، پس اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ ناپاک زمین کو پاک کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے، تطہیر ارض کے

متعلق احادیث میں اور بھی طریقے مذکور ہیں جیسا کہ احناف بیان کرتے ہیں۔

جواب (ھ)

حضرت عبداللہؓ بن مغفل کی حدیث میں بیان کردہ زمین کی تطہیر کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن معقل کی حدیث میں اس واقعہ کے تحت تطہیر ارض کی جو کیفیت مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اعرابی کے پیشاب کرنے بعد ارشاد فرمایا کہ جس مٹی پر اعرابی نے پیشاب کیا ہے اس کو اٹھاؤ اور (یعنی مسجد کے باہر) ڈال دو اور اس جگہ پر پانی کا ڈال دو، اس کے برخلاف مذکورہ فی السوال حدیث میں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اعرابی کے پیشاب پر صرف پانی ڈالوایا تھا، اب ان دونوں روایات میں تعارض ہوتا ہے اس تعارض کو دور کرنے کیلئے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دی جاتی ہے اور تطبیق یہ دی جاتی ہے کہ اگر نجاست کے اجزاء زمین میں سرایت کرنے والے نہ ہوں تو پانی سے نجاست دور ہوجاتی ہے اور اگر نجاست کے اجزاء زمین کے اندر سرایت کر جائیں تو اس صورت میں پانی سے نجاست دور نہ ہوگی بلکہ مٹی کو کھودنا ضروری ہے اس کے بغیر ناپاک زمین پاک نہیں ہوگی۔

جواب (و)

بعثت نبی کی ہوتی ہے لیکن یہاں صحابہ کی جانب اس کی نسبت کیوں ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو "اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِینَ الخ" ارشاد فرمایا ہے حالانکہ بعثت نبی کی ہوتی نا کہ کسی صحابی کی تو پھر آپ علیہ السلام نے صحابی کی جانب بعثت کی نسبت کیوں فرمائی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کی طرف بعثت کی نسبت حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہے اور مجازاً نسبت کرنے کا قرینہ یہ ہے کہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور آپ علیہ السلام کے بعد اس دین کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں پس اس اعتبار سے صحابہ کی جانب بعثت کی نسبت کرنا صحیح ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کیا

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضلیت کی ایک وجہ آپ علیہ السلام کی بعثت کا دوہرا ہونا ہے، اور وہ اس طرح کہ آپ علیہ السلام براہ راست صحابہ کرام کی طرف مبعوث تھے اور صحابہ کے واسطے سے پوری دنیا کی طرف مبعوث تھے۔ (۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۳﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۵۴﴾

عن اَبی هُرَیْرَة اَنَّ اعرابِیًّا دَخَلَ المسجد ورسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم جَالِسٌ فَصَلّٰی قال ابنُ عَبْدَةَ رَکعتین ثمَّ قال اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّداً وَلاتَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدً فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰه علیه وسلمَ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا ثمَّ لَمْ یَلْبَثْ ان بَال فی ناحِیَة المسجد فاسرع الناسُ الیه فنهاهم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقال اِنَّما بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلم تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ صُبُّوا علیه سجلاً من ماءٍ أوقال ذَنُوبًا من ماءٍ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعرابی کے منع کرنے سے کیوں روکا اس کی وجہ تحریر کریں (د) حدیث پاک سے کتنے مسائل ثابت ہوتے ہیں سوچ کر تحریر کریں (ھ) اگر زمین ناپاک ہوجائے تو اس کی تطہیر کے بارے میں ائمہ کرام کے کیا مذاہب ہیں مع دلائل قلم بند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص مسجد میں آئے اور حضور علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے آکر نماز پڑھی (ابن عبدہؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں) اور پھر یہ دعاء کی کہ اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ

(۱) الدر المنضود ۱/۲۶۵، السمح المحمو ۲/۲۶۳.

فرما حضور علیہ السلام نے (ان کی یہ دعاء سنکر) ارشاد فرمایا تم نے کشادہ (رحمت) کو تنگ کر دیا پھر تھوڑی ہی دیر میں ان دیہاتی شخص نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا، لوگ ان کی طرف (منع کرنے کو) دوڑے لیکن آپ علیہ السلام نے لوگوں کو روک دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں پر آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو دشواری کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے اس (پیشاب) پر پانی کا ایک ڈول بہادو (یا آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا) کہ پانی کا بھرا ہوا ڈول اس پر بہادو۔

جواب (ب)

مطلب الحدیث:

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں آئے اور آنے کے بعد انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور نماز کے بعد بلند آواز سے یہ دعاء کی ''اللهم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا احد'' اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما، انہوں نے جس وقت یہ دعاء کی اس وقت حضور علیہ السلام بھی مسجد میں تشریف فرما تھے آپ علیہ السلام نے ان کی یہ دعاء سنکر ان سے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے تم نے اس وسیع رحمت کو اپنے اور میرے ساتھ خاص کر کے تنگ کر دیا۔

اس کے بعد یہ دیہاتی صحابی حضور علیہ السلام کے پاس تھوڑی ہی دیر بیٹھے تھے کہ انہیں پیشاب کا تقاضا ہوا چنانچہ انہوں نے اٹھ کر مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا صحابہؓ جلدی سے ان کی طرف لپکے اور پیشاب کرنے سے روکنا چاہا لیکن حضور علیہ السلام نے صحابہ کو روک دیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے مسلمان ہو کر مسجد میں پیشاب کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نئے نئے مسلمان تھے ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے انہوں نے پیشاب کیا تھا۔

جواب (ج)

حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعرابی کے منع کرنے سے کیوں روکا:

حضور علیہ السلام نے صحابہ کو اعرابی کے منع کرنے سے کیوں روکا تھا اس کے متعلق حافظ حجرؒ

فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو ان اعرابی کے منع کرنے سے اس لئے روکا تھا کہ وہ ایک غلطی (یعنی مسجد میں پیشاب کرنا) شروع کر چکے تھے اب اگر درمیان میں ان کو روکا جاتا تو اس غلطی میں اضافہ ہونے کا امکان تھا بایں طور کہ وہ پیشاب درمیان میں روک کر اٹھتے تو ممکن تھا کہ پیشاب کے کچھ قطرات مسجد کے دیگر حصوں میں گر جاتے، یا پیشاب روک نے وجہ سے خود ان کو کوئی تکلیف ہو جاتی، اس لئے آپ علیہ السلام نے صحابہ کو ان اعرابی کی جانب بڑھنے سے روک دیا تھا۔

جواب (د)

اس حدیث سے کتنے مسائل ثابت ہوتے ہیں؟:

اس حدیث سے چار مسائل ثابت ہوتے ہیں (۱) جب مسجد میں جایا جائے سب سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھی جائے (۲) اللہ کی رحمت کو عام رکھا جائے صرف اپنے ہی لئے خاص نہ کیا جائے (۳) ناواقف آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے نرمی سے سمجھایا جائے اس پر سختی نہ کی جائے (۴) اگر زمین پر پیشاب جیسی ناپاک چیز لگ جائے تو اس کو پانی سے دھو کر پاک کر لیا جائے۔

جواب (ھ)

زمین اگر ناپاک ہو جائے تر اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے؟:

اس جزیہ کا جواب أئمہ کے مذاہب و دلائل کی تفصیل کے ساتھ سابقہ سوال کے تحت گذر چکا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۴﴾

﴿سنن ابی داؤد صفحہ ۵۴﴾

اِمْرَأَةٌ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّ لَنَا طَرِيْقاً اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةٌ فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَ: اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِیَ أَطْيَبُ مِنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ۔

(الف) حدیث شریف اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) امرأۃ مجہولہ کی وجہ سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر ہوگا یا نہیں مع دلیل تحریر کریں (ج) تطہیر انجاس کیلئے پانی ہی متعین ہے یا دیگر اشیاء بھی مطہر ہیں اس میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں (د) کپڑے سے نجاست دور کرنے کیلئے کیا پانی ہی کا استعمال کرنا ضروری ہے یا کسی اور چیز سے مثلاً کپڑا کسی چیز سے رگڑا کر یا جھاڑ کر بھی پاک کر سکتے ہیں، سوچ کر جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ الحدیث:

قبیلہ بنی عبد الاشہل کی ایک خاتون سے روایت کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم جس راستہ سے مسجد آتے جاتے ہیں (وہ کہیں کہیں سے) بہت گندا ہے، ہم بارش کی صورت میں کیا کریں؟ آپ علیہ السلام نے معلوم کیا کہ کیا اس گندے (راستے) کے بعد صاف راستہ نہیں آتا؟ میں نے عرض کیا کہ جی آتا ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر وہ (پاک راستہ) اس (گندے راستے) کا بدل ہے۔

جواب (ب)

کیا امرأۃ مجہولہ کی وجہ سے اس حدیث پر اثر ہوگا؟:

واضح رہے کہ یہاں امرأۃ مجہولہ کی وجہ سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے یہ عورت صحابیہ ہیں اور صحابہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے "الصحابة كلهم عدول" صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں، اس لئے یہاں روای کی جہالت باوجود روایت بالکل صحیح ہے۔

جواب (ج)

کیا تطہیر انجاس کیلئے پانی ہی متعین ہے؟:

اس جزیہ کا تفصیلی جواب سوال نمبر (۶۲) تحت گذر چکا ہے، وہیں ملاحظہ فرمالیں۔

جواب (د)

کیا کپڑے سے نجاست دور کرنے کیلئے پانی ہی کا استعمال ضروری ہے؟:

واضح رہیکہ اگر کپڑے پر تر نجاست لگ جائے تو اس کو زائل کرنے کیلئے بالاتفاق پانی کا

استعمال کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کپڑے پر بارش کی کیچڑ یا اس کے علاوہ اور کوئی ایسی گندگی لگ جائے جو اصلاً ناپاک نہ ہوتو کپڑا پاک مٹی سے رگڑنے یا جھاڑ دینے سے بھی پاک ہوجاتا ہے اس صورت میں پانی ہی کے ذریعہ کپڑے کو پاک کرنا ضروری نہیں ہے۔(۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

الحمد لله:"الکلام المحمود لحل أسئلة سنن ابی داؤد" کی جلد اول آج بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہوئی، دعاء ہے کہ اللہ رب العزت اس کو قبول فرما کر بندہ کیلئے ذخیرۂ آخرت اور اہل ایمان کیلئے نفع بخش بنائے آمین، یارب العالمین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

طالب دعاء
احقر العباد: ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)

(۱) السمح المحمود ۲/۲۶۸ تا ۲۷۰.